بصائر

مؤلفہ

مصلو دردیو مولانا عبدالباری آسی

باہتمام

سید فدا حسین ہاشمی بی۔ اے (علیگ)

یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ وکٹوریہ اسٹریٹ

میں طبع ہوئے

مقدمہ

شاعری اور فلسفہ دونوں کے لئے تخییل کی یکساں ضرورت ہی۔ ایک جگہ تخییل ذوقی اور وجدانی کیفیت بن کر رہجاتی ہے دوسری جگہ عقل و ادراک کی رہنمائی کرتی ہی۔ یہی سبب ہے کہ عموماً اعلےٰ پایہ کے شاعر اعلیٰ پایہ کے فلسفی بھی ہوتے ہیں شعر اگر صحیح معنی میں شعر ہی تو حقیقت اور واقعیت سے جدا نہیں ہو سکتا اور حقائق کا انکشاف ہی فلسفہ کی غرض و غایت ہی۔

حقیقی شاعری حکمت و موعظت کے جواہر پاروں سے مالا مال ہی شعر حکمت ہی شاعری کا سب سے بڑا کمال اور بلند ترین معیار اسکا تاثر ہی اور تاثر کا مقصد اور نتیجہ روح کی رفعت اور سرور ہی۔

کیونکہ تخییل کی کوئی حد و نہایت نہیں اور شعر میں اس سے
کام لینے کے کوئی خاص اصول اور ضوابط مقرر نہیں ہو سکتے۔
اسلیے اکثر شعرا جنھیں قدرت نے ذوق سلیم عطا کرنے میں زیادہ فیاضی
سے کام نہیں لیا تھا جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے اور مبالغہ کی
مدد سے ناممکنات اور محالات کا ایک طلسم خانہ تیار کر دیا جسے
حقیقی شعریت سے کوئی واسطہ نہیں، ایشیائی شعرا نے اسمیں سب سے
زیادہ حصہ لیا چنانچہ یہی وجہ ہوئی کہ رفتہ رفتہ ہماری شاعری
ہماری روزانہ زندگی سے دور ہٹتی گئی اور ہٹتے ہٹتے یہاں تک
مغائرت بڑھ گئی کہ شعر کی خوبی کا معیار ہی ناممکن کو ممکن ثابت
کرنا اور فرضی باتوں کو حقیقی ظاہر کرنا سمجھا جانے لگا اور اسطرح
شعر کی اصلی غرض و غائت فوت ہو گئی۔

فلسفیوں نے تخییل سے کام لیتے وقت علت و معلول کے سلسلہ کو
ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور حقائق کے انکشاف میں چند مقررہ اصول

وضوابط پر کاربند ہو کر عقل وادراک کو شمع ہدایت بنایا یہی سبب ہے کہ وہ حقیقت وواقعیت سے متصل رہے اور حیات انسانی سے قریب تر ہوتے گئے چنانچہ جب وہ ایوان فلسفہ سے نکل کر زندگی کی عام شاہراہ پر گامزن ہوتے ہیں اور اپنے اردگرد کی چیزوں اور دُنیا کے معمولی واقعات اور حالات پر نظر ڈالتے ہیں اور اظہار رائے کرتے ہیں تو کچھ ایسی چبھتی ہوئی بات کہتے ہیں کہ تاثیر سے لبریز ہوتی ہے اور دل میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ یہی حقیقی شعریت ہے۔

حکما اور فلاسفہ کے ان مقولوں کی بنا بھی زیادہ تر تخیل ہی پر ہے لیکن اس تخیل کی نشو ونما منطقی استدلال کے سایہ میں ہوئی ہے اور مبالغہ کی بے اعتدالیاں اپنا رنگ نہیں جا سکتی ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ مقولے ایشیائی شاعرانہ تخیل کی طرح حقیقت سے بعید نہیں ہوئے ہیں اور گو بظاہر ان کی یہ باتیں سیدھی سادی اور سطحی معلوم ہوتی

ہیں لیکن حقیقت اسکے بالکل برعکس ہی کیونکہ وہ ہمیشہ نہایت گہری اور تہہ کی بات کہتے ہیں اور سنگریزوں میں سے چھانٹ کر موتی نکال لاتے ہیں دنیا کی ہر زبان نے حکما اور فلاسفہ کے ان مقولوں کو بھی انکے فلسفیانہ اور حکیمانہ مسلمات کے ساتھ ساتھ محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہی۔ اُردو میں بھی اب سے پہلے متعدد کتابیں شایع ہو چکی ہیں جن میں سے بعض میں صرف حکمار کے مقولے فراہم کر کے شایع کر دیے گئے ہیں اور بعض میں ان کے سوانح حیات کے ساتھ ان کے زریں اقوال پر تبصرہ کیا گیا ہی

اُردو شعرا بھی اقوال حکما کے ان جواہر پاروں سے محروم نہیں رہے ہیں۔ حالی کی مسدس مدوجزر اسلام کا پہلا ہی بند سقراط کے مقولے سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اور بھی بہت سے مقولوں کو نظم کیا ہے مولانا محمد اسمٰعیل نے بھی کبھی کبھی اس طرف توجہ کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ واقعات و مقالات

کو نظم کرنے میں جو کمال مولانا موصوف کو تھا وہ حالی کو بھی نصیب
نہیں ہوا۔

میری رائے میں آسی جن کی نظموں کا مجموعہ "بصائر" کے نام سے آپ کے پیش نظر ہے مقولوں کو نظم کرنے میں اگر مولانا اسمعیل سے سبقت نہیں لے جا سکے ہیں تو کم بھی نہیں رہے ہیں بحیثیت غزل گو کے آسی کا درجہ بہت بلند ہے۔ اس میں شک نہیں کہ لکھنؤ کے طویل قیام سے تکلفات اور تصنعات کی اس سرزمین کا اثر کہیں کہیں ان کے کلام میں جھلکتا ہے لیکن بالآخر درد اور سوز و گداز اور ان کیفیات کے اظہار کا وہ مخصوص انداز جو دہلی کے سوا ہندوستان کے اور کسی خطے کو نصیب نہیں ہوا پکار اٹھتا ہے کہ

"ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے"

آسی کا وطن ایک چھوٹا سا قصبہ الدن ہے جو دہلی اور

میرٹھ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ایسے ایسے صاحب کمال اس چھوٹی سی بستی سے نکلے جن کے آگے بڑے بڑے ترقی یافتہ شہروں کے علماء اور اُدبا نے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔ آسی نے بھی اسی متبرک اور مردم خیز خطے میں نشو و نما پائی یہی سبب ہے کہ وہ علم و ادب کے جس میدان میں گام زن ہوتے ہیں الگزنڈر سلکرک کی طرح بلا شرکت غیرے اسکے مالک بنجاتے ہیں۔

ان نظموں سے آسی کی حقیقی شاعرانہ منزلت کا تو اندازہ نہیں ہوتا لیکن اُنکا نہایت سادہ اور دل نشیں اسلوب بیان بندش کی چُستی الفاظ کا در و بست یہ سب چیزیں ان کی مشق سخن کا ببانگ دہل اعلان کر رہی ہیں، روانی اور الفاظ کے انتخاب اور ان کے استعمال میں خوش سلیقگی کا یہ عالم ہے کہ بعض نظمیں سانچے میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

خیال آفرینی کے ساتھ الفاظ کے انتخاب اور ان کی نشست

میں زیادہ کد وکاوش کی ضرورت نہیں پڑتی کہ خیال اپنے ساتھ خود اپنی پسند کا جامہ لیکر نکلتا ہے لیکن اگر خیال کسی دوسرے شخص کا ہو تو اُس کو الفاظ کا جامہ پہنانا آسان نہیں ہے، ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ بھی اسی لئے مشکل سمجھا جاتا ہے کہ ترجمہ میں خیال دوسرے شخص کا ہوتا ہے اور اس خیال کو اپنے الفاظ میں ادا کرنا پڑتا ہے لیکن کسی دوسرے شخص کے خیال کو نظم کرنا ترجمہ سے کہیں زیادہ مشکل ہے، وزن کی پابندی الفاظ کے انتخاب میں آزادی قائم نہیں رہنے دیتی اور پھر ردیف وقافیہ کے قیود اس آزادی کے دائرہ کو اور بھی محدود کر دیتے ہیں ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر اگر ہم آسی کے "بصائر" کا مطالعہ کریں تو ان کے کمال کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

آسی اقبال کی طرح فلسفی نہیں ہیں یا کم سے کم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اُنھوں نے فلسفہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا نہیں بنایا ہے

لیکن اس کے با وجود فلسفہ کی طرف ان کے طبعی رحجان سے بھی انکار نہیں ہو سکتا خود ان مقولوں کا نظم کرنا ہی میرے اس دعوے کی بیّن دلیل ہی، پھر ان کے تغزل میں بھی جگہ جگہ حقائق و معارف کی جھلک نظر آتی ہی، مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں۔

بیکار کوئی چیز نہیں ہے زمانے میں
حتی کہ موت بھی ہے مری زندگی کا راز

موت کو زندگی کا راز کہنا ایک نہایت لطیف استعارہ کے علاوہ ایسی فلسفیانہ تخییل کی طرف ہمیں کھینچ کر لے جاتا ہی جس پر جس قدر غور کیا جائے حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتا ہی۔

مجھے آسی کا ایک اور شعر یاد آیا جس میں ایک ایسی حقیقت کی طرف پر لطف شاعرانہ انداز سے اشارہ کر کے جو ہر شخص کے روزانہ تجربہ میں آتی ہی خدائے واحد کی قدرت کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی ہدایت کی گئی ہی۔ فرماتے ہیں۔

سہی درست ہی انکار قدرت خالق
جو چاہتا ہوں میں آسی وہ کیوں نہیں ہوتا

آسی کا رنگ تغزل مجھے مصحفی سے بہت زیادہ ملتا جلتا معلوم ہوتا ہے اور ایک رنگ تغزل ہی کیا ان کی تو ساری زندگی کچھ اسی رنگ سے گذری ہی، وہی بے خودی و بیخبری نہ تن بدن کا ہوش نہ لباس کی خبر، وہی شاگردوں کا جم غفیر، وہی غزلوں کی بخشش وہی پرگوئی، اور زود نویسی یہاں اس بحث کا موقعہ نہیں، انشاءاللہ آیندہ بشرط فرصت اس دلچسپ موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھنے کا ارادہ ہی۔

"بصائر" میں کہیں کہیں خامیاں بھی رہ گئی ہیں اور کوئی بشر اس سے خالی نہیں، ایک خامی تو مجھے یہ نظر آتی ہے کہ آسی صاحب نے بعض ایسے مقولے بھی نظم کر دئے ہیں جن میں کوئی ندرت نہ تھی، اسکے علاوہ بعض مقامات پر زبان کی فرد گذاشتیں بھی ہیں۔

مثلاً صفحہ ۱۵ پر ایک مصرعہ ہے

جب سن چکا تمام نصائح کو دوست کی

نصائح مذکر ہے مونث نہیں مثلاً جیساکہ اس شعر میں نظم ہوا ہے۔ اسکے علاوہ "کو" کا استعمال بھی یہاں صحیح نہیں ہے۔ صحیح فقرہ یوں ہونا چاہیے۔ "جب دوست کے تمام نصائح کو سن چکا" یا مثلاً صفحہ ۱۷ پر۔

جنھیں معرکوں میں کیا تم نے زیر
توانا تھے تم سے وہ یا ناتواں،
برابر تھے یا تم سے طاقت میں وہ
کر صاف صاف اسکو مجھ سے بیاں

چونکہ مصرعہ میں "اسکو" کا استعمال صحیح نہیں ہے اس کی جگہ "یہ" ہونا چاہیے۔ کہیں کہیں تنافر بھی پیدا ہو گیا ہے جس سے پرہیز لازم تھا مثلاً صفحہ ۲۰ پر ایک مصرعہ ہے

کہیں ایک رندِ لاابالی کی قدح نوشی ہے۔ کہیں ایک عاشق دردمند کے جذبات کی گرمجوشی ہے کہیں خیام کا تتبع ہے۔ کہیں سرمد کا کہیں عطار کی ہم قدمی ہے کہیں ابوسعید کی۔

تخیل آفرینی کے زور کا یہ عالم ہے کہ ہر خیال میں پر پرواز لگ گئے ہیں اور وہ پری بنکر فضائے شعر میں اڑتا نظر آتا ہے۔ اسکی آب و تاب دیکھنے والی کی نظر خیرہ ہو جاتی ہے مگر تخیل کے عمق اور خیال کی گہرائی کے باوجود بھی وہ ایک جگہ بھی صفائی اور روانی کے جادہ سے سرمو نہیں ہٹتے۔ جذبات کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

ایک دو جگہ نہیں بلکہ بیسیوں جگہ خیالات بدیع اور نادر ہیں جنھیں صفائی اور حسن بیان نے چار چاند لگا دئے ہیں ہم صرف ایک ایک بانگی ہر رنگ کی بغیر کسی تنقید کے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں باقی تمام رباعیات آپ کے پیش نظر ہیں ممکن ہے دیکھنے کے بعد آپ بھی ہمارے ہم نوا اور ہم خیال ہو جائیں۔

جذبات

ہونٹوں کو ہنسی سے آہ سینا ہی پڑا   جام مے رنج و غصّہ پینا ہی پڑا
موت اپنی مراد پر نہ آئی افسوس   اوروں کی مراد بنکے جینا ہی پڑا

عبرت

جو دل ہے یہاں غموں کا گنجینہ ہے   داغوں سے بھرا ہوا ہے جو سینہ ہے
میں بھی حیراں ہوں وہ جہاں بھی حیراں   آئینہ کے سامنے اک آئینہ ہے

بے ثباتی عیش

اک شب عیش میں ہوا میرا گذر   دیکھا اک خشک پھول کو مجمر پہ
پوچھا میں نے کہ کیوں جلاتے ہیں اسے   بولا کہ چمن میں ہنس لیا تھا دم بھر

حسیات

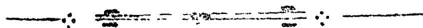
ہر بزم میں اک قرب اسے حاصل تھا   یہ باعث ہنگامہ صد محفل تھا

جسپر سے گزر رہا ہو تو اے غافل مشت غبار بھی کسیدن دل تھا

میں اطناب کلام سے گھبرا کر صرف انھیں رباعیات پر اکتفا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا کرے وہ شعرا بھی جو صرف الفاظ کا گروندا بنا کر شعر کہنا چاہتے ہیں اس روش کا اتباع کریں ۔

لکھنؤ

حامد اللہ افسر



بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا عقل میں نہیں آسکتا

کہا کسی نے یہ سقراط سے کہ اے حضرت — بتاؤ ہمکو جو وصف خدائے اکبر ہے
کہا کہ وصف کی اس کے بڑی صفت یہ ہے — کہ وصف اُسکا تمہاری سمجھ سے باہر ہے

اپنے نفس کی معرفت سخت ضروری ہے

کسی حکیم سے پُوچھا گیا خدا کیا ہے — دیا حکیم نے فوراً یہ مختصر سا جواب
جب اپنی ذات کو اسوقت تک نہیں سمجھے — خدا کی ذات کو پھر کیا سمجھ سکیں گے جناب

جاہل دوست نہیں ہو سکتا

کسی نے ارسطو سے اک دن یہ پوچھا ۔ کہ ہو دوست جاہل تو کیا ہے نتیجا
کہا اُسنے جاہل ہے خود اپنا دشمن ۔ وہ کیا دوست ہوگا جہاں میں کسی کا

مضحکہ اور نصیحت

مرنے سے والدین کے اک نوجوان کو ۔ ترکہ زمین و نقد کا حد سے سوا ملا
لیکن ہے نوجوانوں کا دستور جسطرح ۔ عیّاشیوں کا اُسکو بھی چسکا یونہی پڑا
روز اسکا روز عید تھا شب تھی شب برات ۔ عیش و سرور و سوز کا جاری تھا سلسلا
تھی جائداد جتنی وہ کرنے لگا فروخت ۔ تھی جسقدر زمین وہ سب بیچنے لگا
بداعتدالیوں کا ہوا آشنا زور شور ۔ کچھ دن کے بعد مفلس و قلاش ہو گیا
معمول سے زیادہ ہوا جب وہ تنگدست ۔ اک روز اُسکو دیکھ کے سقراط نے کہا

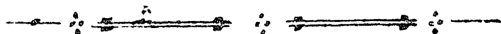
کھایا ہے نوجوانوں کو اکثر زمیں نے
لیکن یہ نوجواں زمیں کو بھی کھا گیا

تعلیم کا تعیّن

چلا جاتا تھا افلاطوں سرِ راہ
کسی نے اس سے پوچھا آکے ناگاہ
کہ زیبا کب تلک ہے کسبِ حکمت
کہا جب تک ہے نازیبا جہالت

برکت ہمت کے ساتھ ہے

سکندر کو مخبر نے آکر خبر دی
کہ دشمن سے لڑنے کی ہمت ہو کیونکر
گھٹا چھائی ہے تیغِ فوجِ عدو کی
تو برقِ فنا بھی گرے گی مقرر
سکندر نے ہنس کر کہا خوف کیا ہے
لڑیں گے ہم اب اس کے سایہ میں رہ کر



حقیقت شاہی

پوچھا اک مور نے سلیماں سے
ملی شاہی یہ آپ کو کیونکر
بولے خاتم کی وجہ سے میرے
ہوئے محکوم سب یہ جن و بشر
کہا کس کام کی ہے وہ شاہی
ہو بنا جسکی ایک خاتم پر

بے ثباتیِ عیش

نہیں ہے راحت و آرام کی جگہ دنیا
ہو کس طرح سے یہاں شاد یہ دل ناشاد
ہوا پہ تخت سلیماں یہ کہتا جاتا تھا
کہ بادشاہی عالم کی ہے بنا برباد

تاثیرِ توبہ

آمادہ فسوق ہو جب ہر ایک شخص
اور اہل شہر میں ہو بڑی کثرت گناہ

کی انکے حق میں حضرت یونس نے بد دعا
اور دی خبر کہ یاد رکھ اے قوم روسیاہ

چالیس دن کے بعد عذاب خدائی ایک
آئیگا اور ہوگا تجھے اُس سے انتباہ

جب یہ سُنا تو چھوڑ کے فسق و فجور کو
مانگی دعا یہ سب نے خدا سے کہ یا اللہ

ہم چھوڑتے ہیں کفر و فسوق و فجور کو
اب تو بھی ہم پہ رحم کر اور ہمکو دے پناہ

آئے ہیں تیرے در پہ سمجھ کر تجھے کریم
آب کرم سے دھو دے عمل نامہ سیاہ

آیا جو بحر رحمت خالق میں ایک جوش
اُن سبھوں کے حال پہ کی لطف کی نگاہ

چالیس دن گذر گئے مگر کچھ نہیں ہوا
تھے خیر و عافیت سے وہاں سب گدا و شاہ

جھٹلانے کے سبب یہ حضرت یونس کو رنج تھا
مجبور ہو کے لی سوئے طیبہ انھوں نے راہ

اور کی دعا کہ موت دے یارب تو اب مجھے
رنجیدگی سے حال ہے میرا بہت تباہ

حکم خدا ہوا کہ یہ رنجش فضول ہے
پھر نینوا میں جا کے رہو تم بعز و جاہ

رہنے لگے وہ جھونپڑی جنگل میں ڈال کر
پیدا ہوئی بحکم خدا اُس پر اک گیاہ

اک بیل تھی یہ اس سے ہوئی انکو کچھ خوشی
کیڑے نے کھا لیا اُسے لیکن دم پگاہ

یہ حال دیکھنے سے ہوا پھر اُنھیں ملال
اُمید کا جہان نظر میں ہوا سیاہ

حکم خدا ہوا کہ سُن اے یونس حزیں
عبرت سے واقعات پہ ڈال اک ذرا نگاہ

اک گھاس کے اُجڑنے سے تجھ کو یہ رنج ہے
ہم ایک پورے شہر کو کیونکر کریں تباہ

عاشق خوف جدائی سے کبھی علحدہ نہیں رہتا

ملکے بھی یوسف صدیق سے یعقوب حزیں
رہتے تھے پہلے کی مانند ملول و غمگیں

پوچھا لوگوں نے کہ اب رونے کا باعث کیا ہے
اب تو پہلی سی یوسف کی جدائی بھی نہیں

بولے یعقوب بچھڑنے کا تھا رونا پہلے
اب رونا ہے کہ ملکر نہ بچھڑ جائیں کہیں

تکلیف و آلام لازمۂ محبت ہیں

کسی شخص نے آگے یوسف کے اک دن — بڑے شدّ و مد سے محبت جتائی
کہا اس سے یوسف نے ای بھائی میرے — محبت میں کوئی بھلائی نہ پائی
مرے باپ نے کی محبت جو مجھ سے — تو دشمن ہوے اُس محبت سے بھائی
دوبارہ زلیخا نے کی جب محبت — تو ظاہر ہے وہ مجھ پہ جو آفت آئی

مقتضائے رسمِ انصاف

تھے فرماں روا مصر میں جبکہ یوسف — تو کرتے رعایا پہ اتنا تلطف
کہ کھانا نہ کھاتے کبھی سیر ہوکر — سبب پوچھتے تھے تو کہتے تھے روکر
جو میں سیر ہوکر کسی دن کھاؤں — تو بھوکوں کی تکلیف کو بھول جاؤں

احترامِ معبود

ایکدن طور پہ اللہ سے موسےٰ نے کہا
اے مرے ربِّ کریم اے مرے علّامِ وُدود
میرے اس کلبۂ تاریک میں ایسی شے ہے
تیری قدرت کے خزانے میں بھی ہے جو مفقود
پوچھا اللہ نے کیا چیز ہے وہ اے موسےٰ
میری قدرت کے خزانے میں نہیں جو موجود
کہا موسےٰ نے کہ معبود ہے تجھسا مرا میں
پاس تیرے نہیں لیکن کوئی تجھسا معبود

راز و نیاز

ملک الموت سے بولے یہ حضرت خلیل
دوست کی روح بھلا قبض بھی کرتا ہے کوئی
وحی آئی کہ تمہاری طرح اے ابراہیمؑ
دوست کے ملنے سے پہلو بھی بچاتا ہے کوئی

عسرت کی عشرت کے موافق برداشت کرو

مبتلائے کربت آلام جب ایوب تھے — انکی بیوی نے دعا مانگی کہ اے فریادرس

رحم کر اس بندۂ صابر کے حال زار پر — حضرت ایوب نے سنکر کہا اس سے کہ بس

ہمنے ستر سال لوٹے ہیں مسرت کے مزے — صبر تم رکھی ہیں آلام ہو اب ستر برس

زبان خلق کو کوئی نہیں روک سکتا

عرض کی موسیٰ نے یارب مجھکو یہ افراد قوم — وہ کہا کرتے ہیں جو باتیں مرے قابل نہیں

پھر جواب آیا اے میرے نبی میرے کلیم — تم تو تم ہو یہ رتبہ تو مجھکو بھی حاصل نہیں

غم بے محل

مر گیا تھا ایک بچہ حضرت داؤد کا — حضرت داؤد کو اس کا بڑا صدمہ ہوا

کرتے رہتے رات دن مبتلا ہو کر جزع فزع | حکم حق پہونچا کہ ہمکو وجہ اسکا ذرا
جب بنایا تھا اُسے فتنہ تمھارے واسطے | کیا سبب اسوقت آخر اسقدر فرحت کا تھا
اب ہمنے باعث رحمت بنایا ہی اُسے | رات دن کسواسطے کرتے ہو تم آہ و بکا

بری صنعت سے صانع پر حرف آتا ہی

دیکھ کر لقمان کی بدصورتی کو ایکدن | آگئی اک شخص کے لب پر جہالت کی ہنسی
دیکھ کر لقمان نے پوچھا کہ کیوں ہی بیوقوف | یہ خطا نقش کی سمجھا ہی یا نقاش کی

پاس ادب

اکمرتبہ لقمان کو ککڑی کی کچھ پھانک | آقا نے بھری بزم میں کھانے کیلئے دی
جب کھا چکے لقمان تو آقا نے یہ پوچھا | بتلاؤ کہ ککڑی ذائقہ میں تھی بات کیسی

لقمان نے جواباً یہ کہا ازرہ توصیف
اس درجہ شیریں تھی کیا بات ہے اسکی

آقا نے بھی لقمان سے تعریف یہ سنکر
کھائی وہی ککڑی تو بدذائقہ نکلی

لقمان سے ترش ہوکے کہا ازرہ غصہ
تو جیسی بتاتا ہے یہ ویسی تو نہیں تھی

لقمان نے ادب سے کہا جن ہاتھوں سے اکثر
ملتی ہی ہیں سیکڑوں چیزیں مجھے میٹھی

اک مرتبہ ان ہاتھوں سے کھا کر کوئی شے تلخ
کس منہ سے مگر یہ بتا دیتا میں کڑوی

سعی بے محل

اک معلم کو بقراط نے دیکھا اک روز
کہ اسے اپنی لیاقت پہ ہے دعوائے عظیم

جب پڑھاتا ہے تو کرتا ہے سلف پر ایراد
اگلے دعوے نہیں کرتا کسی صورت تسلیم

بولا بقراط کہ بچوں کا پڑھانا ہے عبث
جب یہ حالت ہے تو خود تمکو ہے دیجے تعلیم

الّو اور حضرت سلیمانؑ کا مکالمہ

الّو سے سلیمان نے اک روز یہ پوچھا
کھیتوں میں تو کس وجہ سے دانہ نہیں کھاتا

الّو نے کہا ڈرتا ہوں اے حضرت والا
جنت سے اسی دانہ نے آدم کو نکالا

پوچھا کہ تو ویرانے میں کیوں رہتا ہے دن رات
آباد مقاموں کی بری لگتی ہے کیا بات

کہنے لگا یکساں ہیں یہ دنیا کے مقامات
معمورے بھی ہو جائینگے ویرانے کسی دن

پوچھا کہ تو ویرانے میں کیا کہتا ہے اکثر
جو کچھ ترا مفہوم ہے وہ ہم سے بیاں کر

بولا یہی تقریر ہے یہ راز نہاں ہے
جو بستے تھے ان محلوں میں وہ آج کہاں ہیں

پوچھا کہ تو آبادی میں کیوں نہیں آتا
بولا تم انسانوں کا دیکھا میں ستاتا

پوچھا کہیں سمجھا ہے نہ راز اسکو وہ کیا ہے
بولا کہ نشیمن میں ترے یہ ہی صدا ہے

بولا کہ نشیمن میں یہ ہے میرا ترنم
چلنا ہے تمہیں غافلو تیار رہو تم

لو زادِ سفر ساتھ ہیں لو تا حد مقدور — بیفکر نہ ہو منزل مقصد ہے بہت دور

غم ناکام کا غم

رویا اتینز کا مشہور مقنن سولن — دلبند بیٹے کے جو مرنے سے ہوا رنج و محن

کہا اک شخص نے رونے سے نتیجہ کیا ہے — روئیے مردہ پلٹ کے نہیں آسکتا ہے

کہا اے بھائی یہی ہے مرے رونیکا سبب — کہ نہیں رونیکا کچھ بھی نتیجا کوئی اب

جاہل ننگ وطن ہوتا ہے

سنا یونانی حکیموں سے تھا ایک فریس — رہنے والا سستھیہ کا حکیم انخرسیس

بحثا اس سے کوئی یونان کا رہنے والا — کسی صورت سے مگر اس سے وہ سر نہ ہوا

ہوا معقول تو غصہ کا اٹھا جوش و خروش — بولا جھنجھلا کے کہ اے سستھی کے مہمان خاموش

مجھ سے رتبہ ترا نہیں ہے بالا
تو ہے سسلی کا میں یونان کا رہنے والا

سن کے اس طعنۂ دلدوز کو بولا وہ حکیم
آپ جو کہتے ہیں وہ بات ہے مجھ کو تسلیم

فرق یہ ہے کہ مرا ننگ ہے میرا مسکن
آپ کی ذات مقدس ہے مگر ننگ وطن

دولت محفوظ علم ہے

جب دشمنوں نے کرکے یورش آ کے دفعتاً
اک دم محاصرہ کیا بائس کے شہر کا

ہر شخص مضطرب ہوا اس گیرودار سے
گزرا ہر ایک دل پہ قیامت کا ماجرا

کرکر کے جمع دولت و مال و متاع کو
لوگوں نے اپنی اپنی بغل میں چھپا لیا

بائس کو کچھ نہیں تھا گوارا یہ اضطراب
جسطرح مطمئن تھا اسی طرح سے با

اسطرح سے نڈر اسے بیٹھا دیکھ کر
اک دوست اس کے پاس گیا اور یہ کہا

بائس تم ایسی شان سے بیٹھے ہو آج بھی
جیسے کوئی ہوا ہی نہیں تازہ واقعہ

حالت تمہاری دیکھ کے حیرت ہوئی مجھے
کچھ فکر جان کی ہے نہ کچھ خوف مال کا
مال و متاع کیا ہوا مجھکو بتاؤ تو
کچھ بھی نہیں تھا یا کہیں تمنے چھپا دیا
جب یہ سُن چکا تمام نصائح کو دوست کی
اکبار ہنس کے دوست باس نے یہ کہا
میرا متاع و مال فقط میرا علم ہے
سو اُسکو میں دماغ میں محفوظ کر چکا

ملبوس غیر موزوں

دیکھا فیثا غورث نے اک شخص کو
جسکی تھی پوشاک بیحد خوشنما
جب مگر کچھ گفتگو کرتا تھا وہ
تو غلط جملے بہت سے بولتا
دیکھ کر یہ حال فیثا غورث نے
کان میں اُس شخص کے جھک کر کہا
یا تو اپنی گفتگو کر لو درست
یا ابھی جا کر اُتارو یہ قبا

زندوں کے حقوق مُردوں سے زیادہ ہیں

کنگ سے پوچھا طریقہ خدمتِ ارواح کا
کنگ نے یہ بات سُنکر منہ کے سائل سے کہا

جبکہ زندوں ہی کی خدمت کر نہیں سکتے ہو تم
مُردوں کی خدمت سے ہوگا تمکو پھر کیا فائدہ

پوچھا اُسنے یہ بتاؤ موت میں کیا راز ہے
بولا پہلے زندگی کے راز کو سمجھو ذرا

احسان کا بدلہ احسان ہے

پوچھا کسی شاعر سے کہ اے مرزباں کار
کبتک تو رہیگا یونہی قاروں کا ثناگر

بولا کہ وہ احسان کیئے جائیگا جبتک
میں مدح کیئے جاؤنگا قاروں کی برابر

جواب خود ستائی

کہیں سیمونیڈس سے اک پہلواں
جتانے لگا اپنی شہزوریاں

کہ دنیا میں ثانی رستم ہوں میں
نہیں مجھ سے بڑھ کر کوئی پہلواں

حریفوں پہ غالب رہا میں مدام
ہمیشہ ہوئے میرے جوہر عیاں

وہ پچھڑا جو مجھ سے مقابل ہوا
کئے کرنیوالوں نے لاکھ امتحاں

سُنی جبکہ اسکی یہ لاف و گزاف
کہا سیمونیڈس نے اے مہرباں

جنھیں معرکوں میں کیا تم نے زیر
توانا تھے وہ تم سے یا ناتواں

برابر تھے یا تم سے طاقت میں وہ
کرو صاف صاف اسکو مجھ پہ بیاں

کئے سیمونیڈس نے جب یہ سوال
تو بسیا خستہ بولا وہ پہلوان

کہ تھے مجھ سے طاقت میں وہ سب دو چند
میں ہر اک طرح انسے تھا ناتواں

کہا کب یہ ممکن ہے اے بھائی جان
کہ زور دیدے شہزور کو ناتوان

کہا خسر میری برابر تو تھے
پچھاڑا ہے میں نے جنھیں بے گمان

کہا سیمونیڈس نے ممکن نہیں
کہ ہمسر سے ہمسر کو پہونچے زیاں

یہ سنکر ہوا پہلوان لاجواب
کہا مجھ سے طاقت میں کم تھے وہ ہاں

کہا پھر یہ شیخی کی کیا بات ہے
جو کمزور کچھ تم سے پچھڑے میاں

مملکت سے پاس قسم زیادہ بہتر ہے

لکھا حریف کو یہ اردشیر بہمن نے
جو مانو ہم کو تو ہم تم کو بخشدیں یونان

جو تم ہمیشہ ہمارے مطیع ہوکے رہو
تو فائدہ ہو تمھیں اور رہیں ہو اطمینان

لکھا حریف نے اسکو جواب میں کہ جناب
حقیقی فائدہ سوچے اگر کہیں انسان

نہ دیکھے ملک کو غیروں کی آنکھ بھر کے کبھی
کسی طرح سے نہ پہونچا سکے غیر کو نقصان

عدو کو فائدہ پہونچانے کیلئے بیخوف
خوشی کیتھا کرے اپنے فائدے قربان

بجائے اسکے کہ ملجاؤں اپنے دشمن سے
میں لڑکے مرنیکو سمجھا ہوں جنگ میں آسان

بجائے اسکے کہ حاکم ہوں قوم پر اپنی
زیادہ خوش ہوں میں آزاد ہو کر زندان

اوصاف دولت

تھا ایک بزم میں حاضر حکیم فیثاغورث
کسی نے دولت دنیا کے کچھ کئے اوصاف

مبالغے سے لیا کام اسقدر اُسمیں
کہ ناگوار ہوئی سب کو اسکی لاف و گزاف

کہا حکیم نے اُس سے کہ جو میں کہتا ہوں
حضور اسکو سنیں اور کریں ذرا انصاف

جو گھر میں بخل سے ٹھہری سخا سے ضایع ہو
وہ چیز قابل تعریف کیا قصور معاف

فرق علم و دولت

پوچھا فیثاغورث نے اک کس اسکا کیا سبب ۔۔۔ جاتے ہیں منعم کے در پر عالمان ذی ہنر

در پہ عالم کے مگر منعم نہیں آتا کوئی ۔۔۔ سنکے اس قضیہ کو بولا وہ حکیم خوش سیر

فائدے دولت کے عالم جانتا ہی مو بمو ۔۔۔ فائدے سے علم کے منعم نہیں رکھتا خبر

بے تعلقی موجب امن ہی

کہا فیثاغورث نے وہ آدمی ۔۔۔ جو نیکی کرے کچھ نہ کوئی بدی

وہ دنیا میں دشمن سے محفوظ ہی ۔۔۔ کہ ہر نیک و بد اس سے محفوظ ہی

تلاش زر

کسی حکیم نے یونان میں تھا جسکا وطن ۔۔۔ کسی غریب کی شادی اپنی دختر کی

کسی نے اُسپہ کیا اعتراض اور یہ کہا
کہ چاہئے تھی تلاش آپ کو تونگر کی
دیا حکیم نے اُسکو جواب یہ فورًا
کہ قدر میری نظر میں ہے صرف جوہر کی
یہ ایسے زر سے کسی شخص کی ہو جسکو تلاش
وہ شخص اچھا ہے جسکو تلاش ہو زر کی

قرب و بُعد

کسی حکیم کو اہلِ وطن کے ظلموں نے
کیا وطن سے نکلنے کیواسطے مجبور
کہا حکیم نے رہنے دو مجھکو پاس اپنے
کہیں نہ بیٹھ رہو کرکے ہوستی کو سوں دور

فوائد عدم تعلق

کوئی حکیم کسی شخص سے گیا ملنے
مگر وہاں اُسے دربان سے ملا یہ جواب
کہ آج مل نہیں سکتے یہ غور کرتے ہیں
کہ کیسے لوگونکو سمجھائیں اسالہ کا حساب

کہا یہ غور کرے کاش وہ کہ بعد اسکے
کبھی کسی کو نہ دینا پڑے حساب و کتاب

تعلیم قناعت

بیٹھا تھا سقراط اک موچی کی دکاں پر کہیں
تنگی سے تھا مگر وہ کفش گر کچھ بد حواس

اپنے لڑکے سے کہا اُسنے کہ ہمسایہ سے قرض
کل کے وعدے پہ شراب اسوقت لے آ اک گلاس

بولا سقراط اسے یہ بہتر کہ اپنے نفس سے
کہدے تو اسوقت پانی سے بجھا اپنی پیاس

اچھی چیز تعریف سے مستغنی ہے

کی تھی سقراط نے اک مرتبہ تقریر کہیں
حکمت و وعظ و نصیحت پہ جو مبنی تھی تمام

دی کسی شخص نے آکر خبر اُسکی بابت
کہ نہیں کرتا پسند اُسکو کہیں مجمع عام

کہا تقریر جو حق پر ہے تو کیا غم ہے مجھے
ناپسندیدہ بتاتے ہیں اگر اُسکو عوام

خیالات حکیمانہ ہر حالت میں قائم رہتے ہیں

کہتے ہیں لوگ کہ سقراط کی بیوی تھی بہت
تند خو خانہ برانداز دنی زشت عمل

وہ بد اخلاق کہ دنیا میں تھا اسکا جواب
وہ خطا کار کہ عالم میں تھا اسکا بدل

لڑکے اور چیخ کے ایک مرتبہ اس ظالم نے
پھینکی سقراط پہ پانی کی بھری اک چھاگل

اسپہ سقراط نے ہنسکر متانت سے کہا
کہ گرج کر بھی برس جاتے ہیں اکثر بادل

عروج وزوال کی حدیں

شہر میں سقراط کی تھا اک رئیس نوجواں
جو بہ اخلاقی کے اندر آپ تھا اپنی مثال

ایکدن سقراط سے کہنے لگا از راہ طنز
مدتوں سے ہے ہماری قوم میں علم و کمال

ایسے ایسے لوگ گزرے ہیں ہماری قوم میں
آپکے اسلاف میں ڈھونڈیں تو ملنا ہے محال

سنکے باتیں کہا سقراط نے سنیئے جناب	پہلے کچھ بھی ہو مگر اب مجھ کو ہی یہ احتمال
مجھ سے میری قوم میں ہوتا ہے آغازِ عروج	آپ پر اس عزتِ قومی کی ہے حدِّ زوال

دیگراں را نصیحت خود را فضیحت

تھا اتفاق سے مہمان ایک دن سقراط	کسی عزیز کے یا اپنے دوست کے گھر پر
ہوئی جو کھانے کے لانے میں دیر نوکر کو	تو میزباں ہوا اس بات سے خفا اسپر
یہ چاہتا تھا کہ دے اس خطا کی اسکو سزا	کہ اسکو روک دیا یہ حکیم نے کہکر
جو اسکے نفس سے تم دور رہو ہو بنیاد	تو اپنا نفس نہ ڈالو فساد کے اندر

چغلخور اصل دشمن ہے

کسی نے کہا آکے سقراط سے	کہ دیتا تھا تجھ کو فلاں گالیاں

کہا اُسنے دریدہ کی تھی بدی	مگر مجھ سے تم کر رہے ہو بیاں

تبدیل پیشہ سے دماغ نہیں لیتا

پہلوان تھا کوئی یونان میں مشہور مگر	فن کشتی میں نہ تھا اصل میں کچھ اسکو شعور
لڑکے دشمن سے نہوتا تھا ظفر یاب کبھی	بلکہ اکثر وہ پچھڑتا تھا حریفوں کے حضور
عاجز آیا تو کیا پیشہ طبابت کا شروع	اور اس کام میں کی مشق بحد مقدور
ایک دن دیکھکے سقراط نے اسکو یہ کہا	اب تم آئندہ سے لوگونکو پچھاڑوگے ضرور

کن علوم کی تعلیم ضروری ہے

سقراط سے کہا کہ وہ باتیں بتائیے	جن سے کہ نوجوانوں کا ہو قلب مستنیر
سقراط نے کہا کہ جوانوں کیواسطے	جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ ہی بہترین مشیر

لازم ہیں ایسی باتیں جوانوں کو سیکھنا | جنکے نہ سیکھنے سے پشیماں ہوئے ہیں پیر

بیگناہ مرنا گنہگار مرنے سے اچھا ہی

جب حکومت نے دیا زہر کا سقراط کو جام | اسکی بیوی نے کیا شور و بکا نالہ و آہ
پوچھا سقراط نے کس بات پہ روتی ہے تو | رو کے کس غم میں کئے لیتی ہے تو حال تباہ
بولی اس بات پہ رونا مجھے آتا ہے کہ آج | بیگنہ تجھکو ستاتے ہیں یہ سب سینہ سیاہ
بولا سقراط کہ اے عقل کی دشمن عورت | کیا یہ خواہش ہے کہ ثابت ہو مرا کوئی گناہ

بڑھاپے میں علم سیکھنا بڑھاپے میں جاہل رہنے سے بہتر ہے

کی تھی سقراط نے پیری میں توجہ مبذول | کسب اسرار و رموز فن موسیقی پر

محو تھا پڑھنے میں اس علم کے اک دن حکیم — طنز یہ کہنے لگا کوئی یہ اُس سے آ کر
کہ تجھے شرم نہیں آتی ہے اے پیر خرف — سیکھتا ہے جو بڑھاپے میں تو یہ علم و ہنر
سنکے بقراط یہ کہنے لگا جاہل رہنا — شرمناک اس سے زیادہ ہے بڑھاپے میں مگر

موت سے زیادہ زندگی دُشوار ہے

یہ سقراط سے پوچھا اک شخص نے — کہ دُشوار ہے موت سے کون چیز
کہا جس کو کہتے ہیں سب زندگی — وہ ہے موت سے سخت تر اے عزیز

سمجھنے والا ایک کافی ہے

فلاطوں کے شاگرد سب ایک بار — ہوئے جمع جب بہر اصلاح کار
تو اِن سب میں شامل ارسطو نہ تھا — فلاطوں کا دل اس سے تھا کُندسا

اسی وجہ سے کچھ وہ خاموش تھا
تو سب پڑھنے والوں میں اک جوش تھا

بالآخر فلاطوں سے سب نے کہا
کہ تقریر کیجئے ابتدا

کہا سننے والا نہیں کوئی بھی
تو پھر کیا ضرورت ہے تقریر کی

یہ سنتے ہی سب بول اٹھے ایکبار
کہ ہیں سننے والے یہاں ہشیار

کہا اُسنے بیکار ہیں بیشمار
فقط ایک ہو جو ہو مثل ہزار

حاسد کو نقصان پہنچانے کا طریقہ

فلاطوں سے پوچھا کسی شخص نے
کہ حاسد کو پہنچائیں کیونکر گزند

کہا اس کی یہ سہل ترکیب ہے
کہ تم خوبیاں اپنی کرلو دوچند

تونگری کی موت مفلسی کی زندگی سے اچھی ہے

پوچھا افلاطوں سے لوگوں نے کہ اسکا کیا سبب
جمع کرتا رہتا ہے پیری میں بھی مال آدمی

فکرِ دولت میں یہانتک ہے کیوں مصروفیت
اس سے مرنے سے بھی فرصت نہیں پاتا کبھی

بولا افلاطوں کہ مرنا جمع کر کے مال و زر
اس سے بہتر ہے کہ کاٹے مفلسی میں زندگی

علم اور دولت کا اجتماع محال ہے

پوچھا افلاطوں سے لوگوں نے کہ کیا بات ہے
جمع اکجا کیوں نہیں ہوتے کبھی مال و کمال

بولا افلاطوں کہ دونوں کیسے ہو سکتے ہیں جمع
جبکہ رتبہ میں کمال و علم سے کمتر ہے مال

گناہ بدصورتی میں اضافہ کرتے ہیں

بزم افلاطون میں نیکوں اور بدوں کا ذکر تھا
سُن کے اسکو بول اُٹھا وہ حکیم باصفا

ہو گنہ پر نفس آمادہ اگر انسان کا
تو یہ لازم ہے کہ دیکھے وہ اُٹھا کر آئینا

اپنی صورت جب نظر آئے تو اندازہ کرے
بدنما ہے دیکھنے میں یا وہ صورت خوشنما

صورت اچھی ہو تو پھر یہ غور کرنا چاہیے
کیوں بناؤں اچھی صورت کو گناہوں سے بُرا

اور بُری صورت ہو تو سوچے ذرا دل میں وہ شخص
بد کو بدتر شے بنا دینے سے ہے کیا فائدا

جاہل کی تعریف بھی مذمت ہے

اتفاقاً ایکدن کوئی رئیس نیکدل
اک ضرورت لیکے افلاطون سے ملنے گیا

باتیں کرتے کرتے ذکر آیا تو بولا وہ رئیس
کل فلاں جاہل نے کی تھی آپکی مدح و ثنا

اب مسلّم ہوگئی ہو قابلیت آپکی
جبکہ جاہل بھی ہو مدح و ثنا گر آپکا

سنتے ہی یہ بات افلاطون کی ایک گروہ
اور اسکے بعد پھر بیساختہ رونے لگا

دیکھکر حال خوبیکا وہ رئیس نیکذات
او پھر افلاطون سے پوچھا کہ کیا صدمہ ہوا

آپکو اچھی سنائی تھی خبر میں نے مگر
اتفاقاً آپ پر اسکا اثر الٹا پڑا

بولا افلاطوں یہ پوچھو میرے رونیکا سبب
میری امید پہ سو قسمت پانی پھر گیا

آج سمجھا ہوں کہ ہوں اتبک جو جہل میں
ورنہ اس جاہل کو بھاتی کیوں میری کوئی ادا

غیبت کی فرصت عقلمندوں کو نہیں ہوتی

ایک ظالم سے خفا ہوکے چلا افلاطوں
پیشتر اسکے بہت ہم تھی جس سے صحبت

جب چلا تو یہ کہا اس سے اس ظالم نے
آج احباب سے ہم میری کروگے غیبت

ہنسکے از راہ متانت یہ فلاطوں نے کہا
سیکڑوں کام ہیں اسکی نہیں مجھکو فرصت

نقل اصل سے بہتر نہیں ہو سکتی

کہا ایک عاقل سے اک دن کسی نے — کہ چلیے مرے ساتھ اگر بے تامل
تو اس شخص سے آپکو میں ملاؤں — کہ جو نقل کرتا ہے بلبل کی بالکل
کہا اس سے ملنے میں کیا فائدہ ہے — مرے پاس موجود ہے اصل بلبل

بچوں کو کیا علم سکھانا چاہیے

کسی حکیم سے اک شخص نے سوال کیا — کہ چھوٹے بچوں کو کیا کیا سکھائیں علم و ہنر
کہا حکیم نے یہ بات صاف ہے صاحب — وہی سکھائیے کام آئے جو جوان ہو کر

حدود مملکت

پوچھا اجیسلاس سے سائل نے ایک روز
اسپارٹا کی حد معیّن کہاں پہ ہے
اسنے دیا جواب کہ ہر مملکت کی حد
فرمانروائے عہد کی نوکِ سناں پہ ہے

کارنامہ خود ایک یادگار ہے

اجیسلاس نے احباب کو وصیّت کی
کہ یادگار بنانا نہ کوئی تم میری
یہ بات سنکے جو لوگوں نے کچھ سبب پوچھا
اجیسلاس نے اُن سب کو یہ جواب دیا
کیا ہے عمر میں گر میں نے نیک کام کوئی
تو بعد مرنے کے وہ خود ہے یادگار مری
اگر گذارے ہیں بیصرفہ میں نے لیل و نہار
تو یادگار ہے میری جہاں میں بیکار

تادیب نفس

بقراط کے شاگردوں نے اک روز یہ سوچا
استاد کی حالت کا کچھ انداز کریں ہم

دیکھیں کہ جو کہتا ہے یہ باتیں ہیں بنائی
یا قول پہ کہتا ہے عمل کو وہ مقدم

یہ سوچ کے بقراط کی تصویر اٹھائی
اور مل کے گئے پاس فلیموں کے باہم

اس شخص کو تھا علم قیافہ میں بہت دخل
تھا راز درون کا یہ ہر اک شخص کے محرم

بقراط کی تصویر جو دیکھی تو یہ بولا
بدکاری کا شایق ہے بلا شبہ یہ مردم

بقراط کے شاگرد یہ سنکر ہوئے ناراض
اور بولے کہ یہ بات نہ مانیں گے کبھی ہم

بقراط کی تصویر ہے یہ تم نے جو دیکھی
حکمت میں جسے کہتے ہیں سب قائد اعظم

یہ بات سنی جب تو فلیموں یہ بولا
جو بات میں کہتا ہوں نہ زیادہ ہے نہ کم

بقراط کو تم جا کے سناؤ یہ ہمارا
پھر دیکھو کہ کیا کہتا ہے وہ پیر معظم

شاگردوں نے جا کر جو سنایا اُسے یہ حال
اُن سب سے یہ کہنے لگا وہ مجمعِ عالم

بدکاری کا شایق ہے بہت نفس ہمارا
رکھتا ہے بُری باتوں کا یہ قصد مصمم

جنبش نہیں کر سکتا ہے لیکن کسی جانب
اِس طرح دبائے ہوئے رکھتے ہیں اُسے ہم

دیوانہ کا گھر

ایک دیوانے سے لوگوں نے یہ پوچھا اک دن
کہ کہاں رات کے وقت آج کریگا آرام

اُس نے ہنس کر یہ دیا پوچھنے والوں کو جواب
وہیں سو جاؤنگا مجھکو جہاں ہو جائیگی شام

حسن ظاہر کوئی چیز نہیں ہے

دیکھی اک عورت کسی بقراط کے شاگرد نے
جو نہایت ہی حسین تھی اور نہایت ہی جمیل

دیکھ کر یہ شخص اُسکو محو حیرت ہو گیا
اتنے میں کہنے لگا اس سے یہ بقراطِ عقیل

کیا سبب ہے اسکو تم کیوں گھورتے ہو اس قدر
وہ یہ بولا دیکھتا ہوں صنعتِ ربِ جلیل

بولا تم دیکھو جو اسکی اندرونی سطح کو
تو نظر آئے تمھیں ہر ذرہ نہایت ہی ذلیل

مشتے نمونہ خروارے

سرِ عدالت مقدونیہ بجاہ و جلال
سریر عدل پہ رونق فزا تھا فیلقوس

کہ ایک حاکم اسلئے وہاں ہوا حاضر
بڑھا وہ شاہ کی جانب بحسرت پابوس

جب اُسکی ریش مخضب کو شاہ نے دیکھا
تو اُسکے دل میں ہوا ایک درد سا محسوس

ایسہ کی شہ نے دیا اُسکو حکم موقوفی
کہ راستبازی سے تیری میں ہو گیا مایوس

جب اپنے بالوں سے دیتا ہے تو دغا سب کو
تو اور کاموں میں بھی ہوگا مائل سالوس

حرص کا مضحکہ

سنتے ہیں اکبار شاہ فیلقوس
ہو گیا زخم گلو میں مبتلا

تھا وہاں پر ایک جرّاح حریص
کر رہا تھا وہ علاج اس زخم کا

شاہ سے وہ احمق اس دوران میں
روز فرمائش نئی کرتا رہا

لالچی تھا جو نکہ بیحد و حساب
دھوکے دے دیکے بہت کچھ اینٹھتا

فیلقوس اک دن کسی درخواست پر
ہنس دیا اور ہنس کے یہ کہنے لگا

تم کو جو لینا ہے لے لو آج کل
ہے تمھارے ہاتھ میں میرا گلا

دیوجانس کا ایک جواب

کسی نے دیوجانس سے یہ پوچھا
کہ کلبی نام کیوں رکھّا تمھارا

کیا بہتر یہی ہی نام میرا — کہ ہے اُسکے مطابق کام میرا
کہ میں نیکیوں کی کرتا ہوں خوشامد — اور اُن کو کاٹ لیتا ہوں جو ہیں بد

درویش ہمہ جا کہ شب آید سرای اوست

دیو جانس کو یہ عادت پڑی تھی — کہ پھرتا شہر کی گلیوں میں اکثر
کسی نے ایک دن اُس سے یہ پوچھا — کہ اے عاقل حکیم نکتہ پرور
کہیں کیا کوئی تیرا گھر نہیں ہی — کہ لے آرام رہ کر اُسمیں دم بھر
کہا گھر کی اگر تعریف یہ ہے — کہ لوگ آرام پائیں اُس میں رہ کر

تو پھر میں بھی جہاں آرام پاؤں
اُسی کو فرض کر لیجئے مرا گھر

عاقل حرص کا بندہ نہیں ہوتا

بارِ اول جو دیو جانس کلبی سے مِلا / اپنی اک خاص ضرورت کیلئے اسکندر
ویسے ہی بیٹھا رہا جیسے کہ بیٹھا تھا حکیم / کوئی تعظیم نہ کی شاہ کی اُسنے اُٹھ کر
اس جسارت پہ سکندر کو بڑا طیش آیا / اور کہا اُس سے یہ بیساختہ برہم ہو کر
تجھ کو کس بات نے مغرور کیا ہی ایسا / کہ تو آداب فراموش ہوا ہی یکسر
اُسکے از راہِ متانت دیوجانس نے کہا / میں کروں خادمِ خدّام کی عزّت کیونکر
اور بھی شاہ کو اس بات پہ غصّہ آیا / اور کہا کس کا مجھے سمجھا ہی تونے نوکر
بولا وہ اُسکے بتانے کا ارادہ تو نہ تھا / مگر اب آپ جو سُنتے ہیں تو سنیئے بہتر

حرص و شہوت کو سمجھتا ہوں میں خادم اپنا
آپ اِن سب کے دل و جاں ہوئے ہیں چاکر

جوابِ جاہلاں باشد خموشی

دیو جانس کو رستے میں کسی دن ۔۔۔ بُرا کہتا تھا کوئی بے حمیّت
کبھی دیتا تھا گالی ترش ہو کر ۔۔۔ کبھی کرتا تھا وہ اس کو ملامت
مذمّت پر مذمّت ہو رہی تھی ۔۔۔ مگر خاموش تھا وہ نیک سیرت
کوئی بولا کہ اے مرد خردمند ۔۔۔ سکوت اس وقت ہے اک حماقت
بُرائی آپ بھی کچھ اس کی کیجئے ۔۔۔ کہ ہو لوگوں میں خوب اسکی فضیحت
کہا اسکی مذمّت پر خموشی ۔۔۔ سمجھتا ہوں میں اسکی اک مذمّت

مال اسراف

ایک مسرف سے دیوجانس کلبی نے کہا ۔۔۔ کہ مجھے آپ عطا کیجئے من بھر چاندی

ہنسکے مسرف نے کہا اُس سے کہ اے مرد فقیر
تک سمجھ میں نہیں آتی تری فرمائش کی

ایک پیسے کا جب اوروں سے تو کرتا ہے سوال
مجھ سے کس واسطے چاندی کی طلب ہے اتنی

بولا اس واسطے کرتا ہوں میں تجھ سے یہ سوال
دیکھتا ہوں کہ تنزل پہ ہے دولت تیری

اور لوگوں سے تو ملتا ہی رہے گا پیسہ
تجھ سے لیکن نہ ملیگی کبھی پھر اک کوڑی

حقوقِ دوستی

دیوجانس نے دو شخصوں کو دیکھا
کہ باتیں کر رہے تھے دونوں ملکر

نمایاں تھا مگر اخلاص اتنا
کہ دونوں ہو رہے تھے شیر و شکر

پھٹے حالوں تھا اسمیں ایک بیحد
مگر تھا دوسرے کا حال بہتر

دیوجانس نے پوچھا کون ہیں یہ
کہ ہیں اسطرح سے اخلاص پرور

کوئی بولا کہ ہیں یہ دوست ایسے
کہ ہیں بے شبہ یک جان و دو پیکر

کہا جب دوست ہیں تو کیا سبب ہے
کہ اک مفلس ہے انمیں اک تونگر

غرور کے انداز جدا جدا ہیں

جلسہ کیا تھا کوئی فلاطوں نے ایکدن — مدعو تھے جسمیں شہر کے سب صاحب کمال
آیا جو بزم میں دیوجانس تو اسطرح — کیچڑ بھری تھی پاؤں میں سر پر تھے بکھرے بال
آتے ہی دونوں پاؤں جو قالین پر ملے — تو فرش کو بنا دیا یکسر خراب حال
رگڑا کیا جو پاؤں اسطرح دیر تک — تو حاضرین بزم نے اس سے کیا سوال
کیا کر رہا ہے اے دیوجانس یہ حرکتیں — محفل کا تجھ کو پاس نہ تہذیب کا خیال
اُسنے دیا جواب تلووں سے پاؤں کے — کرتا ہوں میں غرور فلاطوں کو پائمال
سنکر یہ بات اسکی فلاطوں ہنسا مگر — ہنسنے کے بعد کہنے لگا وہ خجستہ فال
کرتا ہے پائمال یہ بیشک غرور کو — لیکن بڑے غرور سے کرتا ہے پائمال

تبدیل پیشہ عقل کو نہیں بدلتا

اک مصور نے کیا پیشہ طبابت کا شروع
خبر گیری سے زمانہ کی جو عاجز آ گیا
ایکدن اپنے مطب میں تھا وہ مصروف علاج
دیکھ کر اسکو دیوجانس کلبی نے کہا
آپکی فہم و فراست کے ہوئے ہم قائل
چھوڑ دی آپنے تصویر کشی خوب کیا
کیونکہ تصویر بتاتی ہے مصور کے عیوب
قبر کی خاک چھپاتی ہے طبیبوں کی خطا

انسان کے عیب خدا ہی خوب جانتا ہے

غصہ کے جوش میں اک روز سر راہگذر
دیوجانس کو برا کہنے لگا کوئی لئیم
پہلے ہر بات بہت صبر و تحمل سے سنی
پھر نہایت ہی متانت سے یہ بولا وہ حکیم
تم کو معلوم نہیں ہیں وہ مرے عیب ابھی
جانتا ہوں جنھیں میں اور خداوند علیم

قناعت اور آزادی سب سے بڑی دولت ہے

ایک دن کوئی دیوجانس سے یہ کہنے لگا
آج دُنیا میں شہِ ایران کا ثانی نہیں
اُس سے بڑھ کر کوئی دُنیا میں نہیں ہے خوش نصیب
اُس کو لاکھوں عشرتیں ہیں اور غم کوئی نہیں
جب دیوجانس سب اُسکی سُن چکا لاف و گزاف
سُن کے بولا آپ جو کہتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں
مجھ سے اچھی شاہ ایراں کی نہیں ہے زندگی
جو مری حالت ہے ہرگز آج وہ اُسکی نہیں
اصل میں دُنیا میں ساری برکتیں نیت کی ہیں

کوئی شے اچھی نہیں نیت اگر اچھی نہیں
اِس طرف ہو صبر و عسرت لیکن آزادی کیساتھ
اُس طرف ہو حرص و عشرت لیکن آزادی نہیں
اِس طرف سامان ناکافی ہو کافی ہے مگر
اُس طرف سامان کافی ہو مگر کافی نہیں

آزاد زندگی غلامی سے بہتر ہو

ساگ دھوتا تھا کہیں بیٹھ کے اکدن سقراط
تا کہ تیار کرے شام کے کھانے کو غذا
اتنے میں گزرا اُدھر سے کوئی شاہی افسر
ہنس کے سقراط سے از راہ تمسخر یہ کہا
خدمت شاہ میں رہتا تو اگر اے سقراط
تو یقیں یہ ہے کہ محتاج نہ ہوتا اتنا
کچھ نہیں پاس ترے کھانے پہننے کیلئے
کبھی بھوکا تجھے پاتے ہیں کبھی ہم ننگا

اسی صورت سے کئی سیکڑوں طرح سے اُسنے	سنکے سقراط نے ان سب کو بالآخر کہا
تنگ جو مجھ سے کہیں سنیں وہ باتیں	اب جو تم کہتا ہوں تم اُن کو سنو اے ارا
ساگ پر میری طرح تم جو قناعت کرتے	تو غلامی کا نہوتا یہ کمر میں پٹکا

هنسی ٹھٹھک

ایک دن کسی نے دیوجانس سے کہا	لوگ اُڑاتے ہیں ہنسی آپ کی دیوجانس تیری
دیوجانس نے دیا اُسکو یہ تنہا جواب	جو اُڑاتے ہیں ہنسی اُنکی ہنسی اُڑتی ہے کیا

خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت بڑے یاد سخت ہے

دیوجانس کبار بیمار تھا کچھ	کہ اک آکر ملنے کو بہر عیادت
کسی نے کہا اتنا گھبراتے کیوں ہو	کہ یہ ہے خدا کی طرف سے مصیبت

وہ بولا تمھارا اگر قول سچ ہے
تو گھبرانے کی ہے زیادہ ضرورت

معتبر لوگ کسی کی بدی نہیں کرتے

تھا تھا دمیلس ارسطو سے اکدن افلاطوں
تو بات بات سے تو آ رہی تھی رنجش کی
یہ حال دیکھکے استاد کا ارسطو نے
بصد ادب کیا دریافت باعث خفگی
کہا فلاں سے جو ہے معتبر مرے نزدیک
سنی ہیں آج بہت سی برائیاں تیری
ارسطو اسپہ کہنے لگا کہ اے استاد
جو معتبر ہیں وہ کرتے نہیں کسی کی بدی

زیادہ گوئی کا نتیجہ

کیں ارسطو سے کسی شخص نے اتنی باتیں
کہ طوالت سے وہ تقریر کی گھبرا اٹھا
جب ذرا وہ ہوا خاموش بامید جواب
تو ارسطو نے نہایت ہی متانت سے کہا

پہلا حصہ تری تقریر کا اب یاد نہیں
کیونکہ جب وقت سنا تھا اُسے عرصہ گزرا

آخری حصۂ تقریر جو مستحضر ہے
چونکہ ناقص ہے وہ مشکل ہے سمجھ میں آنا

مخلوق سے خالق کا پتا ملتا ہے

اک مناظر نے سر بزم ارسطو سے کہا
آپ کیا رکھتے ہیں ہستی خدا پر برہان

اُسنے برجستہ دیا پوچھنے والے کو جواب
خلق سے بڑھ کے نہیں ہستی خالق کا نشاں

علم سیکھنے کی محنت گوارا کرو یا جہالت کی مصیبت برداشت کرو

حلقۂ درس میں شامل تھا کوئی طالب علم
اُسکے اچھے نظر آتے نہ تھے لیکن آثار

جبر کیسا وہ ہوتا تھا شریک تعلیم
علم کا شوق مگر دل میں نہیں تھا زنہار

ایسی حالت میں جب اُس شخص کو مدت گزری
تو ارسطو نے کہا دیکھ کے اُسکو اک بار

علم کا بوجھ اگر اُٹھ نہیں سکتا تم سے
تو اُٹھاؤ گے جہالت کی اذیت ناچار

عدل شجاعت سے بہتر ہے

سکندر نے اک دن ارسطو سے پوچھا
کہ اے نکتہ رس صاف دل نیک محضر

بھلا بادشاہان عالم کے حق میں
شجاعت مناسب ہے یا عدل بہتر

کہا کیا ضرورت شجاعت کی اسکو
جو اپنی رعایا پہ ہو عدل گستر

سچ سب سے بہتر دوست ہے

کسی نے ارسطو سے اک دن یہ پوچھا
فلاطوں ترا دوست ہے اے خردور

تو کیوں بحث کرتا ہے اتنی تو اس سے
کہ حرف اُس سے آتا ہے اُس دوستی پر

کہا دوست ہے میرا بیشک فلاطوں
اگر سچ مرا دوست ہے اُس سے بڑھکر

فتح ظاہر و باطن

فتح کرتا تھا کسی ملک کو جب اسکندر
تو ارسطو یہ کہا کرتا تھا اُس سے اکثر
فتح پائی ہے ابھی جسم پہ تو نے اے شاہ
اب کر سعی کہ قبضہ ہو دلوں کے اوپر

اُستاد اور باپ کا تقابل

کہا کرتا تھا نہ یوں ہی سکندر اکثر
باپ سے بڑھ کے ہے انساں کا اُستاد شفیق
باپ لاتا ہے اُسے عالم سفلی کی طرف
وہ بتاتا ہے اُسے عالم علوی کی طرف

میں تم نہیں

شاہ اسکندر نے از راہِ کرم
ایک قیدی کو رہائی دی کہیں

کوئی افسر جو وہاں موجود تھا
ہو گیا یہ دیکھ کر چیں بر جبیں

اور کہا ہوتا اگر میں حکمراں
تو سزا دیدیتا اسکو بالیقیں

بولا اسکندر کہ یہ سچ ہے مگر
چھوڑتا ہوں اسکو میں تم نہیں

اُس جہاں کو بھی ملا لو اسکے ساتھ

اکدن اسکندر بہت دلتنگ تھا
جب ارسطو نے سبب پوچھا کہا

کیا کہوں میں ہیچ آتا ہے نظر
ہمت عالی کو میری یہ جہاں

بولا پھر تم غم سے کیوں ملتے ہو ہاتھ
اُس جہاں کو بھی ملا لو اسکے ساتھ

راستی بےخوف کردیتی ہی

ایک عالم بادشہ کے سامنے — کہہ رہا تھا صاف باتیں بےدھڑک
شاہ نے اُس سے کہا ای بوالفضول — تیری باتیں سچ تو ہیں بے ریب و شک
لیکن ایسی صاف گوئی پر تجھے — میرے غصّے کا نہیں ہی خوف تک
بولا میں جھوٹا نہ ظالم بادشاہ — صاف گوئی سے ہو پھر کیونکر جھجک

کارکن سے عہدے کی زینت ہوتی ہی

سکندر نے ناراض ہو کر کسی سے — نہایت ذلیل اُسکو سونپی تھی خدمت
مگر حسن کیساتھ اُس نیک دل نے — وہی خدمت انجام دی ایک مدّت
سکندر نے اک روز ہنسکر یہ پوچھا — کہ اِس عہدے کی تو نے کیا پائی حالت

سُنی شاہ کی جب یہ طنزیہ تقریر
دیا یہ جواب اُسنے باصد متانت

کہ عہد سے انساں کی زینت نہیں ہے
مگر اُس سے عہد کی ہوتی ہے زینت

ثمرۂ احسان

منجم نے سکندر کو بتایا کہ فلاں شخص
کرتا ہے بہت آپکی لوگوں سے شکایت

یہ سن کے سکندر نے جو معلوم کیا حال
پایا اُسے پابستۂ آلام و مصیبت

کچھ گردش افلاک تھی کچھ آفت افلاس
کچھ درپے آزار تھے عمال حکومت

جب شاہ کو معلوم ہوا حال سب اسکا
کی حال پہ اُس شخص کے در پردہ عنایت

بعد اسکے جو معلوم کیا حال کچھ اس کا
پایا اُسے ہر طرح سے مستغرق مدحت

یہ سُن کے کہا شاہ نے مخبر سے کہ اے شخص
میری مرے قبضہ میں ہے تعریف و مذمت

شرط انصاف

کسی نے آکے سکندر کے سامنے اک روز
کسی ملازم دیرینہ کی شکایت کی
جو سن چکا تو سکندر نے یہ جواب دیا
ہم ایک شرط سے مانینگے بات کو تیری
کہ ہمسے کچھ وہ کہیگا اگر خلاف ترے
تو اسکی بات بھی پھر مان لینگے ہم سچی

انصاف

کیا اک چور کو حاضر سکندر کی عدالت میں
کیا یہ فیصلہ اُسنے کہ دیجائے اسے پھانسی
یہ سنکر شاہ سے کہنے لگا وہ چور رو رو کر
کہ تا حال میں نے چوری بدل ناخواستہ کی تھی
مری نیت نہیں تھی ارتکاب جرم کی ہرگز
خدا کیواسطے اب عفو کر دیجیے خطا میری
سنا یہ عذر اُسکا تو سکندر نے کہا فوراً
کہ ہم دیتے ہیں اسکو بادل ناخواستہ پھانسی

آزادی قناعت

دیوجانس سے بولا اسکندر
کر بیاں جو ہو آرزو تیری

دیوجانس نے یہ جواب دیا
ہٹ ذرا دھوپ چھوڑ دے میری

جواب معقول

شاہ اسکندر نے اکدن ازرہ ناصنگی
اپنے بیٹے کو کہیں نابین کا بیٹا کہدیا

سنکے لڑکے نے دیا فوراً اسکندر کو جواب
آپ کو میری ماں نے انتخاب اچھا کیا

باہمی فیصلہ بہتر ہے

دو حکیموں میں کسی بات پہ ہوتا تھا نزاع
دونوں لڑتے ہوئے پہنچے جو سکندر کے پاس

تو سکندر نے کہا فیصلہ کرلو باہم — دونوں خوش ہونگے اسطرح سے بےخوف و ہراس
میں اگر فیصلہ کردونگا تمھارا تو ضرور — ایک خوش ہوگا اُسے سنکے مگر ایک اُداس

معافی و تلافی

سکندر نے اکبار اک مسخرہ کو — خفا ہوکے اک بات پر دی معافی
ازاں بعد کچھ اُسکو انعام دیکر — کہا وہ معافی تھی اور یہ تلافی

ناأہلوں کیلئے دوسروں کی بُرائی رسائی کا ایک ذریعہ ہے

فلاطوں سے پوچھا کہ بزم شہاں میں — کرے کسطرح کوئی پیدا رسائی
کہا اُسنے گر نیک طینت ہو کوئی — تو کرتا رہے وہ برا بر بھلائی

اگر بے ہنر ہو تو لازم ہی اسکو | کر نیکوں کی کرتا رہے وہ بھلائی

عیب سے آگاہ نہ کرنا خیانت ہے

ایک عاقل کو جو تھا اُس کا وزیر سلطنت
دے دیا اک بار یہ کہہ کر سکندر نے جواب
مُدتوں سے رات دن تم ساتھ رہتے ہو مرے
آج تک لیکن نہ بتلایا کوئی عیب و صواب
آدمی سے ایسی ہوتی ہیں خطائیں سیکڑوں
جن پہ کر سکتے ہیں از روئے فراست احتساب
لامحالہ خامشی سے لازم آتے دو سبب
اور انھیں دو کا نتیجہ ہو گیا وہ بہ عتاب

یا نہیں سمجھے خطا کو یا چھپایا آپ نے
ایسی حالت میں نہیں جاہل تو خائن ہیں جناب

باہمی فیصلہ بہتر ہے

کشاکش ہو گئی اک مسئلہ پر دو حکیموں میں
بڑھی یہ بات تو دربار شاہی میں گیا جھگڑا
سکندر نے کہا اُنسے کہ تم خود فیصلہ کر لو
ہمارا فیصلہ دونوں کو راضی کر نہیں سکتا

مردانگی کی سب سے پہلے بادشاہ کو ضرورت ہے

کسی دشمن پہ کیا کرتا تھا جب فوج کشی
خود بھی میدان میں جاتا تھا سکندر اکثر
خیر خواہوں نے جو اس بات سے روکا اُسکو
تو سکندر نے اُنھیں روک دیا یہ کہہ کر
تم مری جان بچانے کو لڑو دشمن سے
اور خود میں نہ لڑوں حیف ہے میرے اوپر

غربت لاوری کو نہیں گھٹاتی

اک سپاہی ہوا سخت سکندر ناراض
اسکے گھوڑے کو جو دیکھا کہ ہی دبلا لنگڑا
دست بستہ کہا اُسنے کہ اے شاہ جہاں
ہی میدان میں ثابت قدمی کا آلا

حاکم و محکوم کے کام

کسی شخص نے ایسی تقریر کی
جو ثابت ہوئی بزم میں لاجواب
مگر تھا وُہ پہنے ہوئے اک لباس
نہایت ذلیل اور نہایت خراب
کہا شہ نے جیسی کہ تقریر ہے
لباس اپنا ایسا ہی کر انتخاب
کہا اُس نے میں نے کیا ایک کام
کریں دوسرا کام پورا اجناب

صلۂ خیر خواہی

سکندر نے ایرانیوں کی طرف
روانہ کیا تھا کوئی ایلچی

مگر چونکہ تھا وہ بڑا جاں نثار
ہوئی بھیجکر اسکو تشویش سی

کہ ایسا نہ ہو مار ڈالیں اُسے
لہذا مناسب ہوئی واپسی

جو واپس ہوا تو یہ کی اُسنے عرض
کہ شہ نے مجھے کیوں اجازت دی

خدا کی قسم شاہ کے کام میں
مجھے کوئی پروا نہیں جان کی

دیا شاہ نے اُس کو ہنسکر جواب
ترے روکنے کا سبب یہ ہی

دھوکا دیکر لڑنا شجاعت کے منافی ہی

دی اک یہ مشیروں نے سکندر کو صلاح
کہ کر آج کی شب فوج عدو پر شبخوں

سن یہ بات شیروں سے سکندر نے کہا | میری خواہش ہے کہ ہو فتح ملک کی جو ریتی کردیا

زیب و زینت کو شجاعت سے کوئی واسطہ نہیں

سامان نقرئی طلائی میں غرق تھا
چھکے چھٹے تھے فوج سکندر کے خوف سے
دیکھا یہ حال جب تو سکندر نے یہ کہا
جس فوج میں ناز نعمت عیش ہو
دنیا کے خردمندوں نے دنیا میں آج تک
ہے فتح کی نوید یہ دشمن کی آب و تاب

روز مصاف لشکر دارا کا ہر سوار
ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر تھا بیقرار
اے حملہ آوران و دلیران نامدار
تم ایسی فوج کو نہ کہو فوج زینہار
دیکھا نہیں ہے عیش و شجاعت کو ہمکنار
ہمت کرو بڑھو کرو خوف نہ زینہار

اقتضائے ہمت

سکندر نے کیں جب فتوحات پیہم | تو دارا نے ڈر کر سکندر کو لکھا
کہ اب بھی اگر ہم سے تم صلح کر لو | تو دیدیں خوشی سے تمھیں کچھ علاقا
مشیر اس پہ راضی ہوئے اور یہ بولے | کہ شاہا مناسب ہے اب صلح کرنا
سکندر نے اُنسے کہا یہ کہ بیشک | سکندر نہ ہوتا تو میں صلح کرتا

منظر عبرت

دیکھا گورستاں میں اسکندر نے اک شہزادہ کو | پوچھا کیا دیکھا یہاں تو نے بتا ہے اے عزیز
وہ یہ بولا چاہتا ہوں میں نہیں ہوتی مگر | ہڈیوں میں بادشاہوں اور غلاموں کی تمیز

لیاقت شاہی

پوچھا یہ سکندر سے ہم نے کسی نے
بعد آپ کے کس شخص کو ہم شاہ بنائیں
بولا کہ وہی قابل شاہی ہے یقینی
جس شخص میں موجود ہوں شاہانہ ادائیں

کسی کو ہمراز نہ بنانا چاہیے

اک راز بتایا تھا سکندر نے کسی کو
اُس شخص نے اوروں کو بھی وہ راز بتایا
جس وقت سکندر پہ ہوئی بات یہ ظاہر
دربار میں اُس شخص کو فوراً ہی بلایا
پوچھا کہ بتاؤ تمہیں کیا اسکی سزا دیں
کیوں تم نے ہر اک شخص کو ہمراز بنایا

وہ بولا کہ اے شاہ اُسے کیوں میں چھپاتا
جس راز کو خود آپ نے مجھ سے نہ چھپایا

اطاعت والدین

مدتوں تک دیس میں اک نوجواں پڑھتا رہا
پڑھ کے گھر آیا تو اُسکے باپ نے اُس سے کہا

مدتوں تم دیس میں رہ کر تمنے اے جان پدر
اک ذرا بتلا تو دو سیکھے ہیں کیا علم و ہنر

سنکے یہ لڑکے نے اپنے باپ سے فوراً کہا
میں نے جو سیکھا ہے وہ معلوم سب ہو جائیگا

باپ نے سُنکر یہ گستاخانہ لڑکے کا جواب
سخت برہم ہو کے مارا اسکو از روئے عتاب

سخت سست اس حال میں اُسکو بہت کہتا رہا
سب کو خاموشی سے وہ لڑکا مگر سنتا رہا

باپ جب چپ ہوگیا تو بولا موقع دیکھ کر
اے پدر میں نے جو سیکھا ہے یہی ہے وہ ہنر

حالت درد و الم سے گو سراپا جوش ہوں
آپ لیکن مار بھی ڈالیں تو میں خاموش ہوں

صورت سے سیرت پہ کوئی اثر نہیں پڑتا

بیوی کو اک حکیم نے از رہِ ناخوشی — تنگ آ کے جوشِ غصہ و غم میں طلاق دی
ناراض ہو کے کہنے لگا اس سے ایک دوست — اچھی نہیں لگی مجھے حرکت یہ آپ کی
بیہدہ ہو کے آپ نے کیوں دی اسے طلاق — حالانکہ وہ حسین و شکیل و جمیل تھی
یہ سنکر کہا حکیم نے اے میرے یار دوست — جوتی کو میری دیکھ کہ کیا خوب ہے بنی
لیکن خبر نہیں ہے تجھے اس کے باوجود — کس جا اور کہاں سے ہے یہ پاؤں کاٹتی

خودداری

بلایا شاہ بطلیموس نے دربار میں اک دن — تو اقلیدس نے قاصد کو دیا فوراً جواب اسکا
کہ جو شے میرے گھر تک شاہ کو آنے نہیں دیتی — وہی شے میرے گھر روکے ہوئے ہے راستا میرا

استغنا شجاعت کا ایک جزو ہے

دی اکبار شیروں نے سکندر کو صلاح ۔ کہ بہت عورتیں کر لیجئے حرم میں داخل
تاکہ پیدا ہو بہت سی کی اولادِ سعید ۔ کوئی عاقل کوئی کامل ہو کوئی ہو فاضل
سوچ کر انکو دیا شاہ نے برجستہ جواب ۔ ایسی تدبیر کا ہرگز نہیں میں ہوں قائل
کبھی مردوں کو جو خاطر میں نہ لایا ہو کبھی ۔ عورتوں پر ہو وہ کس طرح سے آخر مائل
جو کہ مردوں سے کسی شے کا طلبگار نہ ہو ۔ عورتوں سے وہ کمینے نفع کوئی کیا حاصل

لات جو مارتے ہیں وہ تو گدھے ہیں اکثر

سنا تھا کوئی یونان کا مشہور طبیب ۔ ایک جنگل میں کسی پیڑ کے نیچے جا کر
گو سر راہگذر تو وہ نہیں تھا لیکن ۔ اتفاقاً ہوا اس سمت سکندر کا گذر

کھولکر آنکھ سکندر پہ نظر کی اُس نے
پھر اسی طرح سے لیٹا رہا بیخوف و خطر

جب اُسے مایل تعظیم نہ پایا شہ نے
غصے کے جوش میں اک اُٹھکے ماری ٹھوکر

چونک کر اُسنے کہا کون ہے تو اے ظالم
شاہ نے اسکو بتایا کہ میں ہوں اسکندر

وہ یہ کہنے لگا ممکن ہی سکندر ہو تم
لات جو مارتے ہیں وہ تو گدھے ہیں اکثر

بدوں کو حمایت کی ضرورت ہے

اک شخص جسے لوگ برا کہتے تھے اکثر
فاشین نے دربار میں کی اُسکی حمایت

اسطرح سے حامی جو برے شخص کا پایا
فاشین کو کرنے لگے سب لوگ ملامت

اور متفق اللفظ کہا سب نے یہ اس سے
جو لوگ ہیں انکی حمایت ہے حماقت

طعنہ دلدہ بڑھے سے جو اپنی
فاشین ہنسا اور کہا ہنسکے کہ حضرت

جو بد ہیں حمایت کی ضرورت ہے اُنہیں کو
نیکوں کو نہیں کوئی حمایت کی ضرورت

مرنا بھی مفت نصیب نہیں ہوتا

فاخین پہ جب غدر کا الزام لگایا — اور قتل پہ آمادہ ہوئی اسکی حکومت
تجویز ہوا یہ کہ اسے زہر دیا جائے — بہتر ہے یہی قتل کی اس شخص کی صورت
جلاد نے جو وقت دیا زہر کا پیالہ — فاخین کو محسوس ہوئی زہر کی کلفت
کہنے لگا جلاد سے دے زہر مجھے اور — ہو تاکہ بہت جلد مری ختم مصیبت
جلاد یہ بولا کہ یہاں زہر نہیں ہے — بازار سے لادوں جو درم کیجیے عنایت
فاخین نے آہ کی اور ہنس کے یہ بولا — افسوس کہ مرنے کی بھی لیجاتی ہے قیمت

جواب جاہلاں باشد خموشی

لڑا جاہل کوئی شخص سے اک دن تو لوگوں نے — کہا اس سے کہ کہئے آپ بھی کس بات کا غم ہے

کہا سخنی نے اُنسے کہ خاموشی ہی بہتر ہے
ہم اُس تیغ میں ہیں جیسا غالب مخاطب کے کم ہے

دولت کا خرچ کرنا پیدا کرنے سے زیادہ دشوار ہے

مال بہت جمع کیا تھا کسی احمق نے کہیں
فخر آیا تھا تو اس بات کے اوپر اکثر
جاتا جس بزم میں تو لوگوں سے کہتا کہ جنا
عقل کے زور سے میں نے یہ کمایا ہے زر
ارشمیدس نے سنی ایک دن اُسکی شیخی
تو یہ کہنے لگا اس شخص سے فوراً ہنسکر
کسب زر میں تو نہ تھی عقل کی حاجت اتنی
خرچ کیجے تو کھلیں عقل کے پورے جوہر

فاضل ماتحت جاہل افسر

بزرجمہر سے پوچھا ایک جماعت نے
کہ کون سب سے زیادہ ہے رحم کے قابل
دیا جواب وہ ماتحت خود جو فاضل ہے
اور اُسکا افسر بالا ہو ضدی اور جاہل

دوستی بے ایمانی کیلئے نہیں کیجاتی

کسی حکیم کو اکبار دوست نے اُسکے — کیا تھا کہنے یہ اک ایسے کام کے مجبور
کہ جس سے اسکی دیانت پہ حرف آتا تھا — اور اُس سے ہوتا تھا خائن جہان میں مشہور
لہذا دوست سے ہنسکر یہ کہدیا اُسنے — کہ ہوں میں کرنیسے بد کام ایکدم معذور
جو مجھکو دوست بنایا ہے آپنے اپنا — تو چور بننا مجھے کس طرح سے ہو منظور

خوئے بد را بہانہا بسیار

اک گدا نے ایکبار اک شاہ سے — التجا کی اور مانگا اک درم
شاہ نے سنکر دیا اُسکو جواب — اک درم ہے میری حیثیت سے کم
وہ گدا بولا کہ دیجے اک ہزار — آپکے شایان شان ہے یہ رقم

شاہ بولا دیں مگر کس طرح دیں
تیری حیثیت سے بڑھ کر تجھ کو ہم

خدا کے یاد کرنے والے دوسروں کو بھی بھول جاتے ہیں

کسی شاہ نے ایک عابد سے پوچھا
کہ ہمکو کبھی یاد کرتے ہو دم بھر
کہا اُسنے جب بھول جاتا ہوں خدا کو
تو اُس روز تم یاد آتے ہو اکثر

بدنامی کو زیادہ بڑھنے دو

سُنتے ہیں کہ اک مرتبہ پیرس میں کسی نے
کی مجمع احباب میں پیرس کی شکایت
پیرس نے سُنا جب تو منسٹر سے یہ بولا
تجویز کرو اُسکے لیے کوئی عقوبت
سب کہنے لگے شہر بدر اسکو کیا جائے
پیرس نے کہا یہ تو کچھ اچھی نہیں صورت
بہتر ہے کہ پیرس سے نجائے کہیں باہر
محدود رہے تاکہ یہیں اسکی ہمت

عادات کی درستی فطرت کو بھی بدل دیتی ہے

جاتا تھا فلیمون سے ملنے جو کوئی شخص — پہلے وہ قیافہ پہ نظر کرتا تھا اکثر
پاتا تھا قیافہ میں اگر کوئی برائی — تو اُس سے کسی طرح نہ ملتا وہ خرد ور
اک مرتبہ سقراط جو ملنے گیا اُس سے — تو روک دیا حاجب در نے اُسے در پر
اور جا کے فلیمون سے کی عرض کہ اک شخص — کچھ باتیں کیا چاہتا ہے آپ سے مل کر
یہ سُنکے فلیمون نے غرفے سے جو جھانکا — اچھے نظر آئے نہیں سقراط کے تیور
سُقراط کا اچھا نہیں پایا جو قیافہ — انکار کیا ملنے سے اس بات کے اوپر
نوکر نے جو سُقراط کو پیغام سُنایا — سُقراط یہ کہنے لگا اس بات پہ ہنسکر
جا اور ابھی جا کے فلیمون سے فوراً — کہدے کہ نہیں گرچہ قیافہ مرا بہتر
گو ہوتی ہے صورت سے عیاں میری بُرائی — لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ تو مجھ کو بلا کر

یہ دیکھ کہ اخلاق خصائل کی ترقی
انسان کی فطرت کو بدلتی ہی کیونکر

علم صرف علم ہی کیطرح سیکھا جاتا ہی

بلا کے پوچھا اقلیدس سے بطلیموس نے اک دن
کہ علم ہندسہ کس طرح آتا ہی بہ آسانی

ارادہ ہی کہ سیکھیں تجھ سے تو اس علم کو ہم بھی
بتا کوئی طریقہ تو جو معمولی سے معمولی

تامل کرکے دم بھر اُس حکیم نیک طینت نے
کہا اس علم تک شاہی سڑک کوئی نہیں جاتی

بیہوش کو سمجھانا بے وقوفی ہی

اک شرابی کو ملامت کرچکے کوئی بار بار
اُس سے کہتا تھا کہ تمکو ڈوب مرنا چاہئے

دیکھا اُقلیدس نے تو ناصح سے کہنے لگا
اسکے سمجھانے سے تم کو شرم کرنا چاہئے

شوق سے سمجھاؤ اسکو جو کوئی سمجھے مگر
جو نہ سمجھے اُسکے سمجھانے سے ڈرنا چاہئے

غصّہ کو بڑھانا بیکار ہی

کوئی دشمن آکے اقلیدس سے یہ کہنے لگا
زک نہ دوں جبتک تجھے ہے خواب و خور مجھپر حرام

بولا اقلیدس کہ کھو دوں تیرا غصّہ جب تلک
میں بھی تبتک کر نہیں سکتا ہوں کوئی اور کام

ایجاد کی قدر موجد سے زیادہ کرو

دائر کی اک شکل کی ایجاد میں
ارشمیدس اپنے گھر میں اکدن مشغول تھا

اتفاقاً آگئے گھیر دشمنوں نے اسکو جب
اور سب نے قصد اسکے قتل کرنیکا کیا

ارشمیدس نے کہا سر کاٹ لو میرا مگر
دائرہ میرا بچا لو یہ بہت کام آئے گا

توہم پرستی قابل مضحکہ ہے

اک دوست نے کیٹو سے کہا آ کے یہ اک روز
پہونچے گی ضرر آج مجھے کوئی اذیت
جوتے کو مرے کاٹا ہے چوہے نے سحر آج
فال ہے بد اس سے ہے دل پر مرے ہیبت
کیٹو نے کہا یہ تو ہوا کرتا ہے اکثر
جوتا اُسے کاٹے تو ہو البتہ مصیبت

رندی خراباتی در عہدِ شباب اولیٰ

کہا اک روز ارسطو نے کسی عیاش بڈھے سے
کہ عیاشی میں کیوں بیکار اپنی عمر کھوتا ہے
یہ کیوں عیبوں میں عیبوں کا اضافہ کر رہا ہے تو
ارے ظالم بڑھاپا خود سراپا عیب ہوتا ہے

بخیل مسرف سے اچھا ہے

کسی بخیل پہ پہنچا تھا اسکا دوست کوئی
جو اک حکیم نے دیکھا تو یہ کہا اُس سے

بجائے بخل کے اسراف وہ اگر کرتا
بجائے ہنسنے کی حالت تھی اسکی رونے کی

ظلم کا انتقام ضرور لیا جاتا ہے

روسیوں میں تھا بڑا ظالم کوئی فرمانروا
خون بے جرم سے بھری رہتی تھی جسکی آستین

اُس سے بولا ایکدن کوئی حکیم خیر خواہ
جو میں کہتا ہوں سنو اور کرو اسکا یقین

چاہیے دنیا بھر کو کردو قتل جوش قہر میں
مر نہیں سکتا مگر تم سے تمھارا جانشیں

شکست کینہ کو اور بڑھاتی ہے

سنا گیا ہے کہ اکبار شاہ کیکاؤس / تھا اپنے ایک مخالف سے برسر پیکار

کیا غنیم نے دوران جنگ میں تحریر / کہ ہم سے لڑنے میں آتی نہیں ہے آپکو عار

وہی ہیں آپ کہ پہلے لڑے تھے جب ہم سے / شکست کھا کے ہوئے تھے بحال زار فرار

جو یاد کرتے وہ ذلت وہ شرم و رسوائی / تو آج جنگ نہ کرتے پھر آپ یوں زنہار

کیا جواب میں تحریر شاہ نے اسکو / کہ ہم بھی جنگ و جدل جانتے تھے یوں بیکار

مگر وہ ذلت و خواری جو یاد آتی ہے / اسی سبب سے اٹھائی ہے آج پھر تلوار

جو اپنی حفاظت نہ کر سکے وہ دوسرے کی کیا حفاظت کریگا

شکست کھا کے کوئی قوم اہل جرمن سے / علاقہ اپنا تھا جتنا تمام کھو بیٹھی

پھر آگے ساحل این پہ جب ہوئی آباد
سبب جو پوچھا تو کہا اُس حکومت نے
کہ جس نے اپنے علاقہ کو ہاتھ سے کھویا

تو کی فرانس نے لڑنے کی اُس سے تیاری
کہ تم سے جنگ و جدل کا فقط سبب یہ ہی
وہ قوم غیر علاقے کو کیا سنبھالے گی

بد طینت کی محبت اور عداوت یکساں ہے

اک مرد بد اطوار نے یونان میں اکبار
سسر سے ہوئی اسکی کسیطرح لڑائی
جو لوگ ملامت سے ہماری نہیں ڈرتے

کچھ زہر دیا باپ کو روٹی میں ملا کر
کر کر کے ملامت یہ کہا اُس نے بگڑ کر
نقصان اٹھاتے ہیں وہ اشخاص مقرر

سسر نے کہا سخت ہے گو تیری ملامت
لیکن وہ نہیں ہے تری روٹی کی برابر

کان سننے کیلئے ہیں

سسر کرتا تھا کچھ نصیحت لیکن
سنتا نہ تھا اسکو ایک مرد گستاخ
سسر نے کہا کیوں نہیں سنتے تم
حالانکہ تمھارے کان میں ہیں سوراخ

بڈھوں کی مخالفت قابل عمل نہیں ہے

تھی کوئی سسر نے تجویز کی
ہوئی ایک بڈھے کو جو ناگوار
یہاں تک ہوا برہم اس بات پر
کہ کہنے لگا از رہ انتشار
کہ اے شاہ جبتک کہ میں زندہ ہوں
ہوا ہے نہ ہوگا کام یہ زینہار
تو سسر یہ بولا کہ یونہی سہی
کرینگے تری موت کا انتظار

غفلت کی سزا

دیکھے اسکندر نے شب کو ایکبار
پہرہ پر سوتے ہوئے دو پہرہ دار

فرض سے غافل جو یوں پایا اُنھیں
سوتے سوتے قتل کروایا انھیں

دونوں کی لاشوں کو بے جان چھوڑ کر
چلدیا یہ کہہ کے شاہ نامور

میں نے جس صورت میں دیکھا تھا انھیں
ویسی ہی حالت میں اب چھوڑا انھیں

جان بچی لاکھوں پائے

ایک دن یونان میں اک نائی نے
خط بنایا اسطناطونیقوس کا

اور اُسمیں سیکڑوں جھگڑے کئے
جس سے منہ پر خون نکلا جا بجا

دیر تک کرتا رہا یونہی ستم
خط بنا کر جب ذرا فارغ ہوا

تو حکیم نامور نے دفعتاً
نائی پیسے کچھ زیادہ دیکھکر
میری اُجرت اس سے کم ہے اے جناب
جب سنا نائی سے اُسکا یہ کلام
جانتا ہوں آپ کی اُجرت مگر

اسکو اُجرت سے زیادہ کچھ دیا
سطنا طونیقوس سے کہنے لگا
آپ نے مجھ کو کیا جو کچھ عطا
ہنسکے بولا وہ حکیم باصفا
صرف جاں بخشی کا دیتا ہوں صلا

ہمّت کسی بات کی پروا نہیں کرتی

اک تونگر نے از رہِ بخشش
جب ملا یہ خزانچی کو حکم
دل میں سوچا کہ کیا کروں تدبیر
اسلئے رہ گذر میں ڈھیر کئے

بخشے سایل کو ڈھائی لاکھ درم
سُنکر اس کو وہ ہوگیا برہم
جس سے بچ جائے یہ کثیر رقم
جتنے بخشے تھے اُسقدر درہم

تاکہ آقا بدل دے اپنا حکم
ہو سکے مقدار مال سے محرم

دیکھا آقا نے جب کہ دو انبار
ہنس کے بولا کہ یہ درم ہیں کم

کر دو ان کو دو چند تم فوراً
کہ نہ محجوب ہوں گدا سے ہم

ایمان کیلئے بیم و رجا دونوں ضروری ہیں

حضرت عیسےٰ سے یحییٰ ایک دن کہنے لگے
تم تو یوں خوش ہو کہ جیسے خوف ہی کوئی نہیں

بولے عیسےٰ میرے علیک السلام ہیں ملول
جیسے کوئی رحم کی امید باقی ہی نہیں

متاع دنیا کسی کی ملک نہیں

یہ دیکھا حضرت عیسیٰ نے اک دن دو حریفوں کو
کہ اک قطعہ زمیں کے باب میں باہم اشارے ہیں

یہ کہتا ہے کہ میری ہے وہ کہتا ہے کہ میری ہے
لڑائی کے مہیا الغرض اسباب سارے ہیں
کہا حضرت نے ٹھہرو اک نیا جھگڑا نکل آیا
زمیں ہم سے یہ کہتی ہے کہ یہ دونوں ہمارے ہیں

عبادت خداپرستی کا نام ہے

بہشتی حضرت کا اثنائے سفر میں ایکبار
ایک ایسی قوم صالح پر ہوا تھا گذر
جو رہا کرتی تھی مصروف عبادت رات دن
جو جھکا رکھتی تھی سجدے میں سر شام و سحر
آپ نے پوچھا کہ کیوں اے عابدان نیک ذات
کیا ہوا ہے جسکا تم لوگوں کے دلپر ہے اثر
اس عبادت سے تمھیں کس چیز کی امید ہے
اور وہ شے کیا ہے جسکا خوف ہے آٹھو پہر
بولے جو امید ہے ہمکو ہے جنت کی امید
اور جسکا خوف ہے ہمکو ہے نار سقر

حضرت عیسیٰ بہت افسوس سے کہنے لگے | آجتک اصل حقیقت سے ہو تم بے خبر
خوف ہے مخلوق سے اُمید ہے مخلوق کی | الغرض ابتک نہیں پہنچی ہے خالق تک نظر

عاشقان الٰہی سوائے خدا کے کسی کو نہیں دیکھتے

سُنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام | کیا کرتے اکثر پیادہ سفر
کسی نے کہا ایکدن آپ سے | کہ لے لیجیے اک گدھا آپ اگر
تو پھر کیوں سفر میں یہ تکلیف ہو | جو اکثر گزرتی ہے اب آپ پر
وہ جب کر چکا ختم اپنا کلام | تو حضرت یہ بولے کہ اے بیخبر
نہیں ہوں میں کچھ اسقدر بے شعور | نہیں ہوں میں کچھ اسقدر خیرہ سر

کہ ڈالوں کبھی اک گدھے کی طرف نظر
خدا کی طرف سے نظر پھیر کر

خدا کو آزمانا بے ادبی ہے

کہا شیطان نے عیسیٰ سے اک روز
کہ خود کو تو پہاڑی سے گرائے

تو پھر دیکھوں کہ وہ اللہ تیرا
تجھے کس طرح مرنے سے بچائے

ہنسے اور ہنس کے آنحضرت نے اسکو
یہ دو کلمے نصیحت کے سنائے

کسی بندے کو یہ زیبا نہیں ہے
کہ وہ اپنے خدا کو آزمائے

اخلاق ہر انسان کیلئے ضروری ہے

محفل میں دھلائے حضرت عیسیٰ نے
حواریوں کے ہاتھ جواز بعد طعام

کہنے لگے دبستہ سب حواری
زیبا تھا کہ ہم دیتے خدمت انجام

حضرت نے کہا کہ سچ ہے یہ بات مگر
میں نے بھی اسی لئے کیا ہے یہ کام

بدی چھپ نہیں سکتی

ایک حاکم کو دی گئی رشوت — مُسترد کر دی اُسنے یہ کہہ کر

کہ سُنے گی جو یہ خبر دُنیا — حشر آئیگا میری عزت پر

مرتشی بولا میں ہوں اور تم ہو — تیسرا کوئی بھی نہیں ہے بشر

تو پھر اب آپ ہی بتائیں مجھے — منکشف ہوگا راز یہ کیونکر

بولا حاکم کہ یہ غلط ہے جناب — محرم راز ہو چکے اکثر

مجھ کو معلوم آپ کو معلوم — آسماں کو خبر زمیں کو خبر

اب ذرا آپ غور فرمائیں

چھپ سکے گا یہ راز پھر کیونکر

لباس پر فخر کرنا بیجا ہے

پھرتا تھا اک شخص اتراتا ہوا
دیکھ کر اُسکو یہ بولا اک حکیم
کل جسے پہنے ہوئے تھی ایک بھیڑ

پوستیں رنگا ہوا تھا جس کے پاس
فخر کیا کرتا ہے اے حق ناشناس
آج تو پہنے ہوئے ہے وہ لباس

نسب کی صحیح پہچان

لڑائی میں دشمن سے لڑنے گیا
کسی نے بطولاس کو دی خبر
کہا باپ کا اپنے بیٹا تھا وہ
مگر بعد کو جب ہوئی یہ خبر

جو اک بار لڑکا بطولاس کا
کہ مارا گیا آج بیٹا ترا
تو صدمے میں اسکے تعجب ہو گیا
کہ زندہ تو ہے قید میں پڑ گیا

تو ہنسکر یہ کہنے لگا وہ حکیم | کہاں اپنی ماں کا بھی بیٹا وہ تھا،

زور پر گھمنڈ کرنا بیجا ہی

رہتا تھا یونان میں اک پہلوان | جس کو طاقت پر بڑا ہی ناز تھا
رات دن رہتا تھا مصروف گزاف | روز و شب کرتا تھا وہ اپنی ثنا
تھا کہیں محو تعلّی ایک دن | اسپہ جالینوس نے اُس سے کہا
یہ بتاؤ تم مجھے اے مہرباں | کام کیا سب سے بڑا تم نے کیا
بولا میں اک روز مردہ بیل کو | پیٹھ پر تنہا اُٹھا کر لے گیا
ناز سے اُسنے دیا جب یہ جواب | ہنسکے جالینوس یہ کہنے لگا
بھائی یہ تو کام معمولی سا ہے | بیل خود حامل ہی اپنے بوجھ کا
ہو زیادہ سے زیادہ بیل تم | آدمیت سے مگر گیا و اسطا

تعیّن مشاہدّات

ارسطو سے دوران تقریر میں
کہ کب مرنا انسان کو چاہیئے

فلاطوں نے پوچھا بتا اے عزیز
کہا جب نہو نیک و بد کی تمیز

بُوالہوسی

کہا ایک عابد سے اک اس نے
بأُمید جنّت جو طاعت کرے

کہ اے نیکدل وہ نہیں نکتہ رس
ہے سب سے زیادہ وہی بُوالہوس

آخر فنا آخر فنا

اردشیر بابکاں نے ایک بار
خاص کوئی خوابگہ بنوائی تھی

جس میں دولت خرچ کی تھی بیشمار | اور کچھ باقی نہ رکھی تھی کمی
اک حکیم نکتہ رس نے دیکھ کر | شاہ سے بے انتہا تعریف کی
شاہ نے پوچھا کہ سچ کہہ اے حکیم | تو نے اس میں عیب بھی پایا کوئی
وہ حکیم نکتہ رس بولا کہ ہاں | غور کرنے پر کھلا اک عیب بھی
اور وہ یہ ہے کہ اک دن اس سے تم | جا کے پھر اسمیں نہ آؤ گے کبھی

تجارت بادشاہوں کا کام نہیں ہے

ہرمز کو خزانچی نے لکھا | اے مالک تاج و تخت و دولت
لائے تھے یہاں پہ چند تاجر | موتی خوش وضع خوبصورت
ہم شاہی خزانہ دار نے کچھ | موتی وہ خریدے تھے بہ دقت
اب آیا ہے اور ایک تاجر | دیتا ہے وہ انکی دونی قیمت

ہو حکم تو بیچ لوں انھیں میں
ملتا ہے یہ نفع بے اذیت
ہمسر نے جواب میں یہ لکھا
ہے یہ اک قسم کی تجارت
لیکن جو یہ پیشہ ہم کرینگے
تو کون کرے گا پھر حکومت

انصاف

عہد قبا دمیں کہیں پائی گئی تھی ایک لاش
قاتل بدشعار کی سب کو بڑی تلاش تھی
پھرتے تھے لوگ جا بجا شہر میں ڈھونڈتے ہوئے
پھر بھی کسی طرح کہیں چل نہ سکا پتا کوئی
ہو نہ سکا جو کوتوال پانے میں اسکے کامیاب
لوگ نے بے خطا کے سر ساری خطا یہ تھوپ دی

دام بلا میں وہ غریب جب ہوا اس طرح سے قید
کھائیں ہزارہا قسم کرکے بہت سی عاجزی
پھر نہ کیا کچھ التفات حاکم وقت نے مگر
اور سزائے دار بھی اُس کے لئے لکھی گئی
تختے پہ سولی کے اُسے جبکہ چڑھا دیا گیا
تو بڑھا چیرتا ہوا بھیڑ کو ایک آدمی
اور کہا کوتوال سے میں نے کیا ہے اسکو قتل
بے سبب اس غریب کو جس کی کہ یہ سزا ملی
اسکو پکڑ کے کوتوال لیگیا پاس شاہ کے
شاہ نے سُن کے انکا حال دونوں کو کردیا بری
پوچھا سبب تو یہ کہا شاہ نے کوتوال سے

چھوڑ دو اِن کو کیونکہ ہی عدل کا مقتضا یہی
مجرم قتل ہے تو یہ لائق رحم بھی تو ہی
ایک کی اِسنے جان لی ایک کو اسنے جان دی

صلۂ احسان

سنا گیا ہی کہ فصلِ ربیع میں اک روز
ہوا سوار جو کسریٰ برائے سیر و شکار
نظر پڑا اُسے جنگل میں کوئی پیر خرف
بحال خستہ بحال تباہ زار و نزار
لگا رہا تھا وہ زیتوں کا درخت کوئی
زمیں کھود کے تھالا کیا تھا اک تیار
یہ دیکھ کر کہا کسریٰ نے اُس سے اے بڈھے
اُٹھا رہا ہی بھلا کیوں زحمت بیکار
پھلے گا تیرا لگایا ہوا شجر جبتک
نہ دیگی فرصت تجکو اجل تجھے زنہار
دیا جواب بڈھے نے شاہ کو فوراً
کہ اے شہنشہ گیتی پناہ نیک شعار

پھل انکے کھائے ہیں ہمنے بذوق و شوق و رغبت ہمارے بڑوں نے جتنے لگائے تھے اشجار

اسی طرح سے یہ پودے جو ہم لگاتے ہیں ہمارے بعد کے لوگ ان کو پائیں گے تیار

سنی یہ بات تو کسریٰ نے زہ۱ کہا فوراً درم دئے گئے بڈھے کو اسکے چار ہزار

ملے درم تو مسرت کے ساتھ بڈھے نے کہا یہ عرض ہے اے شاہ واجب الاظہار

درخت پھلتا ہے بعد ایک عمر کے لیکن لگاتے درخت پہ ہم پھر آگیا یہ بار

یہ سن کے شاہ نے پھر زہ کہا تو سلطان خزانچی نے دئے پھر درم وہ کرکے شمار

خوشی میں بڈھے نے نوشیرواں سے پھر کہا کہ ایک بار زمانہ میں پھلتے ہیں اشجار

مگر خدا کی عنایت سے دیکھ لے اے شاہ کہ یہ درخت پھلا ایک وقت میں دو بار

سلہ نوشیرواں جب کسی کی بات پر "زہ" کہتا تھا تو فوراً چار ہزار درم انعام دئے جاتے تھے"

رعایا کا متمول ہونا بادشاہ کی خوشی کا باعث ہے

مخبروں نے شاہ کسریٰ کو لکھا
آپ کا جو ہے فلاں تحویلدار

اسقدر پیدا کیا ہے اُسنے زر
ہو نہیں سکتا ہے کچھ جس کا شمار

جتنا اُسکے پاس ہے آج اتنا زر
گنج شاہی میں نہیں ہے زینہار

اُن کو کسریٰ نے لکھا اسکا جواب
مجھکو اس سے کچھ نہیں ہے رنج و عار

بلکہ میں خوش ہوں کہ میرے عہد میں
لوگ ہیں مجھ سے زیادہ مالدار

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

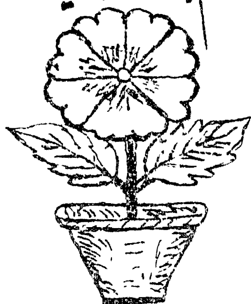
آ کے اک شخص نے کسریٰ کو دیا یہ مژدہ
کہ خدا نے ترے دشمن کو اُٹھایا شاہا

شاہ نے اُس سے کہا تو نے کہیں یہ بھی سُنا	کہ ہمیشہ کیلئے اُسنے ہمیں چھوڑ دیا

دنیا میں عقلمندوں کی تعداد کم ہے

کسی نے کہا شاہ بہلول سے کہا اُن کا گننا تو دُشوار ہے	کہ کر شہر کے احمقوں کا شمار اُنھیں کیوں نہ گنئے جو ہیں ہوشیار

قطعات تمام ہوئے اب رباعیات ملاحظہ فرمائیے



رُباعیات

کوئی گلِ عیش چُن لیا ہو شاید
مشکیں نفس اُس سے ہو گیا ہو شاید
سنتا ہوں کہ کچھ روز جیا تھا میں بھی
کچھ یاد نہیں یہی ہوا ہو شاید

ظالم دم نزع بھی نہ آیا افسوس
افسانۂ غم نہ سننے پایا افسوس
تھی جذبۂ دل سے ہمکو آسی اُمید
افسوس عجب فریب کھایا افسوس

اس سبز و سپید و سرخ و استبرق کو
جانا نہ کسی نے معنی مطلق کو
بیکار نہیں ہیں یہ بہتر فرقے
برحق سمجھے اگر تو سمجھے حق کو

پی خوب شراب اور معشوق سے مل
بیکار ہی کل کی فکر آج اے غافل
کل کام پڑے گا بے نیازی سے ترا
ہیں سب یہ خیال اور عمل لاحاصل

عاشق ہی نہو کوئی تو پھر یار سے کیا
مشتاق نہو کوئی تو دیدار سے کیا
آنکھیں ہی جسکے پاس ہوں اے ساقی
اُس کو ظلمت سے کیا اور انوار سے کیا

وقفِ آلام و عبرت و حسرت ہے
انسان غریب کی بھی کیا قسمت ہے
آتی نہیں موت بے سبب کے یعنی
مرنے کی بھی اک مقررہ قیمت ہے

ہرگز دل اپنا بیوفاؤں کو نہ دے
آئینۂ صاف خودنماؤں کو نہ دے
بیگانے تو بیگانے ہیں پھر اے آسیؔ
تو اس کا نشان آشناؤں کو نہ دے

قبل اس کے کہ زندگی کا برہم ہو نظام
وہ کام کرو کہ ہو نہ خفت انجام
جس کام کو کل پہ ٹالتے رہتے ہو
شاید کہ نہ کر سکو گے کل تم وہ کام

اسرار وجود خام و ناپختہ رہے
جو گوہر بے بہا تھے ناسفتہ رہے
ہر اک نے فضول اپنی تقریریں کیں،
جو نکتے کہ گفتنی تھے ناگفتہ رہے

کس طرح ہر اک وفا سے دیوانہ ہو
کیونکر ہر اک خرد سے بیگانہ ہو
سو قرن میں بھی نہ ہوگا پیدا آسی
وہ مرد کہ جس میں خوئے مردانہ ہو

ہے عالم فانی میں فقط قید وجود
ہیں عالم باقی میں نمائش کے حدود
تم عبد جو سنتے ہو یہ ہے فرضی نام
دراصل یہ ہے کہ ہے فقط وہ معبود

کچھ بھی نہیں ہیں یہ کفر و ایماں دونوں
کچھ بھی نہیں یہ گبر و مسلماں دونوں
جب راز حقیقت سے اٹھایا پردہ
رونے لگے ہو ہو کے پشیماں دونوں

سرسبز نہ ہو سکے گا یہ دانۂ حرص
معمور نہ ہو سکے گا ویرانۂ حرص
اک ظرف شکستہ بنکے خالی ہوگا
جتنا کہ بھریگا کوئی پیمانۂ حرص

سو سال کرے تو شادمانی بالفرض
سو سال کرے تو کامرانی بالفرض
مرگ و پیری سے پھر بھی ہوگا دوچار
سو سال بھی ہو جو زندگانی بالفرض

جو دل ہے یہاں غموں کا گنجینہ ہے
داغوں سے بھرا ہوا جو سینہ ہے
میں بھی حیران ہوں اور جہاں بھی حیران
آئینہ کے سامنے اک آئینہ ہے

ہونٹوں کو ہنسی سے آہ سینا ہی پڑا
جام مے رنج و غصّہ پینا ہی پڑا
موت اپنی مراد پر نہ آئی افسوس
اوروں کی مراد نکلے جینا ہی پڑا

۱۲

وہ جلوہ بہ دیدۂ یار ہو جائیگا
راز اُس کا سب آشکار ہو جائیگا
ہم آئینہ ہیں تو وہ خود بیں آخر
آخر ہم سے دوچار ہو جائیگا

ہیں جاہل محض گرچہ باعرفاں ہیں
بچّے ہیں ہنوز گو مطول خواں ہیں
آموختہ کے سوا نہیں آتا کچھ
یعنی دانا تو ہیں مگر ناداں ہیں

ادنیٰ ہیں اگرچہ ہم بہت اعلیٰ ہیں
پتھر ہیں دراصل ظاہرا ہیرا ہیں
اک حرف بجز نام کے معلوم نہیں
خاتم ہیں کہ صرف مظہر اسما ہیں

کیا رُوئیے جو شام غم میں تنہا رُوئیے
کیا روئیے جو چشم نم سے دریا رُوئیے
ایذا طلبی یہ چاہتی ہے آسیؔ
ہم رُوئیں تو ساتھ ساتھ دنیا رُوئیے

اب علم و ہنر سے سخت حیراں ہوں میں
حیراں ہی نہیں بلکہ پریشاں ہوں میں
پرساں نہیں اس جنس کا دنیا میں کوئی
آئینہ فروش شہر کوراں ہوں میں

دلکش ہی جہاں کسقدر دیکھے تو
ہیں اہل ہنر بہت ہنر دیکھے تو
دنیا کے ہر اک چاہ میں اک یوسف ہے
لیکن کوئی صاحب نظر دیکھے تو

شایانِ ملامت دو عالم ہم ہیں
مستوجب طعنہائے پیہم ہم ہیں
رکھتے ہیں چراغ کعبہ بتخانہ میں
بدنام کنِ دودۂ عالم ہم ہیں

خوش آئے تھے اس جہاں سے غمناک چلے
پاک آئے تھے اور سخت ناپاک چلے
اس آمد و شد سے کیا نتیجہ نکلا
کیا خاک آئے تھے اور کیا خاک چلے

دعوےٰ جو رہ عشق میں کافی ہو جائے
تقریر جو وجہ سینہ صافی ہو جائے
جو دار پہ چڑھ جائے وہ منصور بنے
جو برہنہ پا ہو بشر حافی ہو جائے

خلعت راحت کا تن پہ پہنا کیسا
جام صہبائے عیش پینا کیسا
ہم ہیں اور درد یاس و ناکامی ہے
مرنا بھی نہیں نصیب جینا کیسا

گر علم کا اک ورق میسّر ہو جائے
انساں کو نہ چاہیئے کہ خود سر ہو جائے
آجائے جو انقلاب کا اک جھونکا
شیرازۂ کونین ابھی ابتر ہو جائے

اس عشرت بے بقا سے خوشدل کیوں ہے
اس کلفت جانگزا سے بسمل کیوں ہے
کچھ نہیں دونوں ہیچ ہیں اے آسی
اے مرد خدا خدا سے غافل کیوں ہے

رنگ عشرت نے ہمسے نیرنگی کی
نغموں نے ہمارے خارج آہنگی کی
جس سینہ میں اک جہاں سما سکتا تھا
آخر میں نفس سے اسنے دلتنگی کی

سامان راحت کا کوئی موجود نہیں
اک چیز بھی پاس حسب مقصود نہیں
لیکن یہ خیال اک بہشت دل ہے
معبود خدا ہے اور معبود نہیں

وہ نقطۂ نور اگر نہ پیدا ہوتا
کیوں دائرۂ فلک ہویدا ہوتا
محبوب خدا اگر نہ بنتے احمد
والہ ہوتا کوئی نہ شیدا ہوتا

پیغام خدا کا پہلے آدم لائے
آخر میں بشارت ابن مریم لائے
سب نبیوں کے پاس نامہ بے خاتم تھا
احمد ہمراہ نامہ خاتم لائے

جو گور پرستی میں ہوئے ہیں سرمست
وہ دین کی راہ سے ہیں گمرہ یکدست
اللہ نے ہم میں اُن میں رکھا ہے فرق
ہم زندہ پرست ہیں وہ سب مردہ پرست

ہم منکر اولیاء و اخیار نہیں
ہم اُنسے کشیدہ مثل اشرار نہیں
لیکن خالق کو چھوڑ کر اے آسی
مُردوں سے اعانت کی طلبگار نہیں

ہے کون و فساد سے زمانہ کا نظام
ہر صبح کے ساتھ میں لگی ہے اک شام
جھونکا ہے ہوا کا زندگی اے غافل
جھپکی ادھر آنکھ اور اُدھر کام تمام

مطرب فانی ہے اور ساقی فانی
تو اور ترا ہر اک مُلاقی فانی
بے بود ہے بود اس جہان کی آسی
باقی باقی ہے اور باقی فانی

ہر بزم میں اک قبر اسے حاصل تھا
یہ باعث ہنگامۂ صد محفل تھا
جس پر سے گزر رہا ہے تو اے غافل
یہ مُشت غبار بھی کسی دن دل تھا

حیران زمانہ کو بنایا ہم نے
اک نغمۂ بے صدا سنایا ہم نے
آئینۂ وہم میں مثال تصویر
جو جلوہ کہ کچھ نہ تھا دکھایا ہم نے

بے بود میں شان بود پیدا کرنا
اور ظاہر حسن خود میں اخفا کرنا
کاغذ کی طرح آگ لگا لے دل میں
گر چاہے ہزار طرح جلوا کرنا

جھگڑا ہی مروّت کا نہ پالا ہم نے
احباب پہ بار اپنا نہ ڈالا ہم نے
درماندگی و فتادگی میں آسیؔ
سایہ کی طرح خود کو سنبھالا ہم نے

کب تک غموں سے ٹھنڈی سانسیں بھرنا
کب تک یہ رنج اور تأسّف کرنا
کب تک مرنے سے یہ تنفّر آسیؔ
کب تک اس زندگی کے اوپر مرنا

افسانۂ شوق متصل کہتا ہوں
کہنے سے خجل ہوں اور خجل کہتا ہوں
سمجھا نہیں قافلہ مرے مقصد کو
میں بانگ جرس میں درد دل کہتا ہوں

عصیاں میں زمانہ بھر غالب ہوں میں
شرمندۂ جان اور قالب ہوں میں
وجہ بخشش نہیں ہے کوئی یارب
آمرزش بے سبب کا طالب ہوں میں

اس سے پہلے کہ تیرے دل کو توڑیں
اس سے پہلے کہ باگ تجھ سے موڑیں
لوگوں کو تو خود ہی چھوڑ دے اے آسی
اس سے پہلے کہ لوگ تجھ کو چھوڑیں

مامون بلا ہوں اور خطر میں ہوں میں
منزل پہ پہونچ کے رہگزر میں ہوں میں
ہوں رشتۂ تسبیح کا دانہ یعنی
اپنے گھر میں ہوں اور سفر میں ہوں میں

تھے زیست سے اپنے ہاتھ سے دھوئے ہم
اپنی ہستی پہ خوب سا روئے ہم
تھی مثل شرار زندگی کی فرصت
آنکھیں کھولیں نہ تھیں کہ پھر سوئے ہم

کچھ درد و الم جہاں سے کہنا ہوگا
کچھ رنج فشار قبر سہنا ہوگا
کچھ روز اڑیں گے خاک بنکر ہر سمت
سو طرح سے اس جہاں میں رہنا ہوگا

ہیں گرچہ ہزار رنج سہنے والے
ہم پھر بھی ہیں بات منہ پہ کہنے والے
ہم تجھ سے دبے ہوئے ہیں لیکن اے چرخ
نا کے نہیں تجھ سے دب کے رہنے والے

سب کو دم سرد اس جگہ بھرنا ہے
سب کو اسی ایک حال میں مرنا ہے
جو بندۂ حق نہیں وہ ہے بندۂ نفس
بندے کو غرض کہ بندگی کرنا ہے

نکتہ ہے یہ اس میں بات کچھ بیش نہ کم
اطلاق ہے اسکا سب پہ وہ تم ہو کہ ہم
ہستی سے تمھاری خود فنا ہے ظاہر
اے مثل سراب نقشبندان عدم

یا نغموں کی صوت جانفزا نکلے گی
یا نالوں کی صوت جانگزا نکلے گی
جب تک باقی رہے گا یہ تار نفس
دل سے ترے اک شکا اک صدا نکلے گی

کیوں ہستیٔ بے بقا پہ اتراتا ہے
کیوں نشہ سے تیرا سر پھرا جاتا ہے
آئینہ میں اپنے عکس کو دیکھ ذرا
اک اور جہاں میں نظر آتا ہے

راحت دنیا میں رہ کے آساں نہ سمجھ
آرام کا اس جہاں میں امکاں نہ سمجھ
جب باغ میں کوئی گل نظر آئے تجھے
دل ریش سمجھ اُسے تو خنداں نہ سمجھ

بے لشکر و فوج بادشاہی کر لے
بے مسند و تکیہ کبریائی کر لے
دنیا سے جو بے نیاز ہو جائے تو
اک دلق مرقع میں خدائی کر لے

قدرت کا تری بندۂ دیرینہ ہوں میں
اور تیرے کمالات کا گنجینہ ہوں میں
تو مجھ سے ہے ظاہر اور میں تجھ سے ہوں عیاں
تو آئینہ میرا تیرا آئینہ ہوں میں

تھے دورِ حیات میں خوشی سے محروم
آخر کو ہوئے اجل کے اپنی محکوم
القصہ رہی ہمیشہ محتاج سرور
اور عیش و سرور کا زمانہ معلوم

تدبیریں کبھی مفید ہوتی بھی ہیں
اکثر یہ تیرا وقت کھوتی بھی ہیں
دلتنگ نہ ہو کبھی تو ان سے آسی
دریا میں حباب بھی ہیں موتی بھی ہیں

ہوتی ہے خوشی کی صرف غم سے تائید
بعد رمضاں ہمیشہ آتی ہے عید
ہوتا نہ یہی اگر تو ہوتے کیونکر
کفار کے ہاتھ سے مسلمان شہید

عاشق بھی ہے اُمید سے مسرور بھی ہے
اور اُس میں خیال دوست کا نور بھی ہے
میں اس دل مبتلا سے خوش ہوں آسی
موسے بھی ہے یہ شجر بھی ہے طور بھی ہے

اے زاہد خود نما ذرا خوف تو کر
اتنا تو نہ ہو سر کو جھکا کر خود سر
ہنستا ہے زمانہ اور روتی ہے عمر
اس تیری نماز اور ترے روزہ پر

کب کوئی کسی کا مونس ہمدم ہے
بنیاد وفا کی سخت نامحکم ہے
لیکن ترا غم ہے تیرے دل کا مونس
باقی ہے اگر یہ غم تو پھر کیا غم ہے

در اصل ہوا ہے اب یہ قصّا حادث
کیسا کوئی قدیم کیسا حادث
تھی علم الٰہی میں ہمیشہ سے یہ بات
گویا کہ قدیم سے ہے دنیا حادث

شاید غم سے کبھی فسردہ ہو جائے
شاید گل کی طرح فسردہ ہو جائے
زندہ ہے جو آج دل تو دل شاد بنو
ممکن ہے کہ آج ہی یہ مُردہ ہو جائے

جنّت بھی اگر نہو تو جنّت ملجائے
نعمت بھی اگر نہو تو نعمت ملجائے
سب کچھ ہو وہ میرے واسطے اے آسی
دل کو اگر ایک آہ حسرت ملجائے

دن رات وہی شورش غم اور وہی تاب
دن رات وہی مصیبت اور رنج و عذاب
رونے سے کہاں سونے کی فرصت آسی
ہے آج خیال خواب اک نقش بر آب

انساں کیلئے یہ عمر فانی ہے موت
انساں کیلئے یہ زندگانی ہے موت
ڈرتے ہیں جوانی میں عبث مرنے سے
سو موت کی ایک یہ جوانی ہے موت

جاتا ہوں تری گلی سے زاری لیکر
آشفتہ سری و بیقراری لیکر
دل مفت نہیں دیا ہے تجھ کو لینے
جاتا ہوں میں تیری یادگاری لیکر

اللہ رے یہ جذب آہ کی بے اثری
اللہ رے یہ درد اور یہ خونیں جگری
دریوزہ کے واسطے نہیں ہے کاسہ
کاسہ کیلئے کرتا ہوں دریوزہ گری

مشکل سے یہ شکل خوشنما نکلی ہے
مشکل سے یہ صورتِ دلربا نکلی ہے
ہستی و عدم کا مل گیا ہے جب ساز
تب زیست کی جانفزا صدا نکلی ہے

کتنی یہ عمر بے بقا نکلی ہے
کیا اِس کو سمجھ رہا تھا کیا نکلی ہے
آئینہ کو دیکھ کر یہ جانا میں نے
ہستی میری عدم میں جا نکلی ہے

اس دل میں کبھی خوشی کا عنواں دیکھا
اِس دل میں کبھی درد کا ساماں دیکھا
القصہ اسی میں عمر گزری آسی
اک بحر میں سو طرح کا طوفاں دیکھا

اس ذکر خوارق و کرامات کو چھوڑ
اس فخر کو چھوڑ اس مباہات کو چھوڑ
باتیں کرنا ہیں گر تجھے اے زاہد
کچھ اور ہی ذکر کر خرافات کو چھوڑ

ذوق تجرید میرا سرمایہ ہے
رنگ تفرید میرا پیرایہ ہے
تنہائی ہے میری صرف ہمدم میری
ہمسایہ مرا فقط مرا سایہ ہے

مانا کہ تو ہر راز نہاں کو سمجھا
مانا کہ تو راز دو جہاں کو سمجھا
کیا فائدہ لیکن اس سمجھ سے آسیؔ
اب تک جو نہ اپنی چیستاں کو سمجھا

طے منزل عمر کو عمر بھر میں نے کیا
اس راہ کو قطع بخطر میں نے کیا
ہر آبلۂ پا کی طرح اے آسیؔ
اس دشت میں سر کے بل سفر میں نے کیا

اک محفلِ عیش میں ہوا میرا گذر
دیکھا اک خشک پھول کو مجھ پر
پوچھا میں نے کہ کیوں جلاتے ہیں تجھے
بولا کہ چمن میں ہنس لیا تھا دم بھر

وصلت کا کوئی اثر نہ دیکھا میں نے
دیدار کا کچھ ثمر نہ دیکھا میں نے
میں آئینۂ جمالِ دلبر نکلا
اُس نے دیکھا مگر نہ دیکھا میں نے

ہمت جو ذرا قدم بڑھائے تو چلیں
یہ درد یہ اضطراب جائے تو چلیں
ہستی ہے فقط غبارِ راہِ مقصود
دم بھر یہ غبار بیٹھ جائے تو چلیں

یہ جام بدست و توبہ برلب کیا ہے
یہ عشق بتاں یہ شور یارب کیا ہے
کیسی ہے الٰہی یہ تلوّن کیشی
میں کون ہوں اور میرا مذہب کیا ہے

سب کو موہوم اور مخیّل سمجھو
موجود جہاں وجوداول سمجھو
جو نقش بجز ایک کے آتا ہے نظر
تم اُسکو فریب چشم احول سمجھو

باتوں میں تو اختیار شیرینی کر
اظہار نیاز و عجز و مسکینی کر
خواہش ہو جو آنکھوں میں جگہ پانیکی
اے مردم دیدہ ترک خودبینی کر

اک زحمتِ ناروا ہی راحت کیا ہی
اک کلفتِ غم فزا ہی عشرت کیا ہی
دل ساغرِ جم سہی مگر اے آسی
جب ٹوٹ گیا تو اسکی قیمت کیا ہی

کیا سُرخ ہی کتنا خوشنما ہے لالہ
تجھکو معلوم ہی کہ کیا ہے لالہ
لالہ سے بھی بڑھکے تھا وہ گل اے آسی
جس لالہ کی خاک سے اُگا ہے لالہ

بے کلفت دل فشار میں رہتا ہوں
بے نشۂ مے خمار میں رہتا ہوں
طاعت نہیں اور امید آمرزش ہے
بے وعدہ کے انتظار میں رہتا ہوں

پہلے سے جو تھی وہی ہوا ہے اب تک
جو رنگ کہ تھا وہی جما ہے اب تک
مدت سے شراب خون دل پیتا ہوں
پیمانۂ دل مگر بھرا ہے اب تک

ہے ہستی چندروزہ کیا مایۂ شر
اس رنج سے بہ گیا جگر خوں ہوکر
دنیا کے قیام میں بھی لاکھوں آفات
اور اس سے زیادہ سخت عقبے کا سفر

دل مٹ گیا آہ نارسا باقی ہے
طاقت نہیں نالہ و بکا باقی ہے
کچھ حال نہیں ہے مجھ میں اور ہے وہی حال
اب ساز نہیں رہا صدا باقی ہے

افسانۂ سوزشِ نہانی نہ سنو
حالِ غم و رنج زندگانی نہ سنو
مین آپ اب اپنی ناخوشی سے خوش ہون
اچھا نہ سنو مری کہانی نہ سنو

ہستی و فنا کے غم سے بالا ہوں میں
موت اور حیات سے مبرّا ہوں میں
خود اپنی غرض کے واسطے ہوں جوہر
دانے میں شجر شجر میں دانا ہوں میں

ہیں روز سحر کو سینہ شق ہوتا ہوں
اور شام کو خوں جوں شفق ہوتا ہوں
اس ہستی بے ثبات کے غم میں مدام
شبنم کی طرح عرق عرق ہوتا ہوں

راحت میں کبھی تلف ہوئے بیہودہ
کلفت میں پڑے رہے کبھی آلودہ
گلگشت خیال کرتے کرتے آخر
ہم گردش رنگ سے ہوئے فرسودہ

وہ سر بھی نہیں وہ جوش سودا بھی نہیں
وہ پاس وہ درد روح فرسا بھی نہیں
جتنی کہ خرابیاں تھیں سب ہم سے تھیں
دنیا میں نہیں ہیں ہم تو دنیا بھی نہیں

اس طرح بنائے شعر ڈالی ہیں نئے
گویا کہ نئی راہ نکالی ہیں نئے
بلبل نے اڑائی تھی روش جو میری
بلبل کی وہی روش اڑالی ہیں نئے

جاری ہے مری شرابخواری ابتک
رود اور سرود سے ہے یاری ابتک
گو بال سفید ہیں مگر باقی ہے
دل میں ہوس سیاہ کاری ابتک

نغموں میں بھی ہے صدائے ماتم باقی
ہے وصل میں بھی فراق کا غم باقی
دریا ہونٹوں پر آ گیا ہے لیکن
ہے اب بھی وہ تشنگی کا عالم باقی

بیخود بھی ہیں حیران بھی ہیں انجان بھی ہیں
عاقل بھی ہیں عالم بھی ہیں نادان بھی ہیں
نیرنگیٔ جلوہ ہائے اصنام کو دیکھ
بتخانے میں کچھ لوگ مسلمان بھی ہیں

اس زھد کی آبرو ڈبولے پہلے
دامن کو شراب سے بھگولے پہلے
پھر دل سے صفائے دل کی کوشش کرنا
آلودۂ معصیت تو ہولے پہلے

ہنستے ہوئے آئیں اور رلاتے جائیں
دلداری کو آئیں دل دکھاتے جائیں
احباب کی شان ہو یہ آسی صاحب
ایک ایک کو آپ آزماتے جائیں

رنجوں کی طرف خوشی کو مائل کر لے
مایوس بن اور مراد حاصل کر لے
ملتی ہے اسی طرح حیات ابدی
جا موت کو زندگی میں شامل کر لے

ہیں پس کے ہوا حنا کی صورت پا بوس
اُمید بڑھی ہے سب سے ہو کر پا بوس
ہوں بالغ جہاں میں بعید مجنوں کی طرح
ہوتی ہے مرے یہاں ترقی معکوس

انجام سرور درد و کلفت نکلا
رہنا دنیا میں سخت آفت نکلا
پڑتے ہی طمانچہ مغنی اجل
اس دائرہ سے صدا کی صورت نکلا

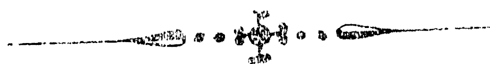
ہو لاکھ اگرچہ آج تو فرزانہ
آخر میں کہیں گے تجھ کو سب دیوانہ
پیمانۂ عیش جلد بھر کر پی لے
بھرتا ہے وگرنہ عمر کا پیمانہ

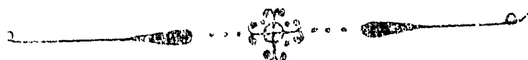
جز حسن یہاں عیاں نہیں ہے کوئی
جز عشق یہاں نشاں نہیں ہے کوئی
یا تیرے سوا نہیں کسی کا بھی وجود
یا میرے سوا یہاں نہیں ہے کوئی

جب دل ہی نہیں رہا تو ارماں کیسا،
جب درد نہیں رہا تو درماں کیسا،
غمہائے جہاں سے میں سراپا غم ہوں
اب دل میں کوئی خوشی کا ساماں کیسا

ہر دم جو بدلتی ہے زمانہ کی ہوا
پھر بود و نبود کا ہے تجھ کو غم کیا
موجود جو شے ہے اسکو معدوم سمجھ
معدوم جو شے ہے اس کو موجود بتا

آسیؔ چپارہ سخن طرازی کب تک
افسونگری اور فسانہ سازی کب تک
اظہارِ حقائق اور سخنگوئی میں
اے مردِ خدا خیال بازی کب تک





تتمہ از مصنف

کون سی شاعری جذبات انگیز ہے کس سے تاثیر و تاثر پیدا ہوتے ہیں۔ اور کونسی شاعری ملک و قوم کی مفید خدمات انجام دے سکتی ہے۔ شعر کی بندش کیسی ہونی چاہیئے۔ اُس میں کس قسم کے الفاظ لائے جائیں۔ اور کن سے احتراز کیا جائے۔ مضامین مطالب میں کسقدر صفائی اور کہاں تک گہرائی کی ضرورت ہے یہ ایک طویل مبحث ہے جس کی نہ یہ چھوٹی سی کتاب متحمل ہوسکتی ہے۔ نہ یہاں اُس کی ضرورت ہے۔ اور نہ میں لکھنا چاہتا ہوں مگر یہ لکھنا ضروری ہے کہ میں نے کیوں اس قسم کی شاعری کی طرف توجہ کی۔ اسپر بھی جب غور کرتا ہوں تو ایسے مہتم بالشان اسباب نہیں معلوم ہوتے جن کی

تفصیل اور تشریح و توضیح کے لیے کسی بڑے مقدمہ یا تتمہ کی ضرورت ہو۔ صرف اتنا کہ عرصہ سے یہ خیال تھا کہ کوئی اخلاقی کتاب نظم میں لکھی جائے مگر جب اس خیال کے پورا کرنیکا ارادہ ہوتا تھا۔ تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سوچتا تھا کہ اخلاق و حکمت کے نکات گو کیسے ہی شاعرانہ اور رنگین الفاظ میں بیان کیا جائے۔ پھر بھی اُنکی خشکی دُور نہیں ہوتی۔ اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ الفاظ کا اثر جاتا رہتا ہے۔ بلکہ طبائع عموماً نصائح سے کچھ زیادہ مانوس نہیں ہوتیں اور سعدیؔ و عطارؔ مولانا رومؔ۔ اور سنائیؔ سے ناصح روز پیدا نہیں ہوتے۔ بس یہی خیال تھا کہ جسنے ارادہ کو مدت تک ارادہ ہی کی صورت میں رکھا۔ اتفاق سے ایک دن یہ خیال پیدا ہوا کہ مشہور زمانہ حکماء کے خیالات سراسر شعریت سے لبریز ہوتے ہیں۔ اُن کو نظم کرنا چاہیئے۔ اُن میں

نصائح بھی ہیں اخلاق بھی ہے۔ رموز و حکمت بھی ہیں ۔ اور
شعریت بھی ۔ ان کو اگر نظم کے سانچے میں ڈھالا جائے تو انکی
دلکشی بڑھے ہی گی کم نہ ہوگی ۔ اس میں بھی صرف اقوال
وہ دلکشی نہیں رکھتے جو انھوں نے بغیر کسی تحریک کے
کہے ہیں ۔ بلکہ مکالمہ کی صورت میں جو کچھ انھوں نے کہا ہو
وہ سونے اور سہاگے کا عالم رکھتا ہے ۔ اس مکالمہ میں بھی
اس مکالمہ کو ترجیح دی گئی جس میں ایک مہذب شستہ ظرافت
شامل ہو جس سے نہ صرف سننے والے کے دل و دماغ محظوظ
ہوں نہ صرف روح کو تقویت اور مسرت حاصل ہو بلکہ نصیحت
کی تلخی شیرینی سے بدلکر دل و دماغ کو گوارا ہو جائے ۔ اس
محدود خیال کے لئے مضامین کا مواد اگرچہ کم ہے ۔ مگر پھر بھی
تجسس اور تلاش کی جائے تو دفتر کے دفتر تیار ہو جائیں اسکے

جمع کرنے میں مجھے بعض کتابیں ملیں جو میرے مقصد کے لئے بیحد مفید ثابت ہوئیں۔ بہر حال دو چار اقوال نظم کرکے اہل ذوق احباب کو سنائے۔ داد ملی ہمت بڑھی۔ اور آخر کار اس کام کو مفید سمجھ کر کتابی صورت میں لے آیا۔ میرے لئے خود فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ میں اس اہم فرض کی انجام دہی میں کامیاب ہوا یا نہیں اور کامیاب ہوا تو کہاں تک مگر میں نے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال ضرور رکھا ہے۔

(۱) اغراق۔ غلو۔ مبالغہ سے بالکل احتراز کیا ہے۔

(۲) تشبیہات اور استعارے جو ایشیائی شاعری کے لئے روح رواں بن گئے ہیں۔ اور جنھوں نے ایک جگہ اگر زور کلام بڑھایا ہے تو سیکڑوں جگہ شعر کے دفتر کے دفتر غارت کر دئے ہیں اُن سے میں نے حتی الوسع قطع نظر کی ہے۔

(۳) روانی اور صفائی کا خصوصیت سے خیال رکھا ہے
اسی لئے زبان میں نامانوس الفاظ نہیں آنے دئے

(۴) اس کی بحریں مختلف رکھی ہیں تاکہ طبیعت پر
یک رنگی کا بار نہ پڑے۔

(۵) ایجاز و اختصار کو نہ صرف اسی لئے مدنظر رکھا ہے
کہ ظرافت کی جان ہے۔ بلکہ مبالغہ کے اندیشہ نے اطناب
کی طرف جانے ہی نہیں دیا۔ دوسرے قاری یا سامع کی خاطر
نازک کا خیال ہر وقت اسکا سد راہ بنا رہا ہے۔

(۶) بجز اُن مستند ہستیوں کے جن کی عظمت آج بھی
دنیا کی نظر میں اتنی ہی ہے جتنی اُنکی زندگی میں تھی۔ عوام اور معمولی
لوگوں کے اقوال کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے

(۷) جس قدر اقوال لئے گئے ہیں وہ اُن مستند ہستیوں کے

ہیں جن کا نفسِ تحقیق میں اعتبار قائم ہو چکا ہے۔ اور اُمید ہے کہ قائم رہیگا۔

(۸) جہاں تک اندازہ کیا جاتا ہے۔ کوئی مکالمہ ایسا نہیں ہے جس میں اخلاق ظرافت ملی ہوئی نہ ہو

(۹) بعض انبیا کے اقوال بھی نظم ہوئے ہیں مگر اس سے اُمید نہیں ہے کہ کتاب ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے لئے مفید رہیگی اور مذہبیت کے رنگ میں رنگی جائیگی۔

(۱۰) یونانی حکما کے نام بحروں کے بڑی مشکل سے مطیع ہو سکتے ہیں۔ مگر سخت دقتوں کے با وجود بھی بعض جگہ اس انقیاد و مطاوعت کی زنجیروں سے آزاد رہے ہیں۔ وہاں مجبوراً حکیم ہی لکھدیا گیا ہے۔

یہی ہیں وہ تمام باتیں جو خصوصیت کے ساتھ مدّ نظر

رہی ہیں۔ اور میری مساعی کو ان میں دخل ہے۔ اسپر بھی یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سہل زبان کا خیال رکھنے کے باوجود بھی بعض الفاظ ایسے ہیں جو شاید بعض نقادوں کے نزدیک ادق ہونگے یا دوسری طرح سے اُن کی زبان پر ہونگے۔ مگر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مختلف فیہ طریق استعمال الفاظ پر انصاف کبھی یک طرفہ فیصلہ کی اجازت نہیں دیتا۔ میرا اختراع نامقبول ہو تو ہو لیکن اگر میں نے ایک فرقہ کا اتباع کرتے ہوئے دانستہ اور جائز سمجھ کر کچھ الفاظ ایسے استعمال کئے ہیں۔ یا کسی جملہ کی ترکیب میں نقاد کی زبان اور خیال سے علیحدہ رہا ہوں تو یقیناً وہ قابل ملامت نہیں ہے ذیل میں اس قسم کے جملے یا الفاظ مجملاً درج کرتا ہوں جو شاید میری عدم واقفیت پر مبنی کہے

تجانین

(عیاشیوں) بجائے عیاشی (تلک، بجائے تک

(کلبۂ تاریک) کلبہ ذرا غیر مانوس سا لفظ ہے (دیکھ کر القمان

کی بدصورتی کو ایک دن) کو اس میں بے ضرورت ہے

یا اسی قسم کی اور ترکیبیں جن میں روابط و علامات کو

حشو اور زائد سمجھا جائے (اس طرح سے) سے زائد

ہے (متاع کا یہ تذکیر استعمال) (مخطوط) غرض کہ اس

قسم کے چند الفاظ آپ کو ملیں گے جن پر ایک معترض

منتقد کی چھوٹی موٹی عمارت تیار کر سکتا ہے۔ مگر نظر

تحقیق میں شاید ان کا کچھ پایہ نہ ہوگا۔

بہر حال اگر ان کو کمزور بھی سمجھا جائے۔ تب

بھی نظم اور نثر کے فرق کو نظر انداز کر دینا ایک زیادتی

ہو گی۔

میں تو اس قضیہ کو یہ کہہ کر ختم کئے دیتا ہوں کہ یہ ایک سعی ہے جو اگر مشکور ہو تو زہے قسمت۔ ورنہ

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

رُباعیات قطعات سے بالکل جُدا چیز ہیں۔ مگر انہیں بھی بعض وہ رُباعیاں ہیں جن میں اکابر سلف کے اقوال کو دوسری زبانوں کی نظم یا نثر سے لیکر نظم کیا ہے۔ اور اکثر میری ہی ناتمام فکر کا نتیجہ ہیں۔

میرا خیال تھا کہ اُن حکماء کے مختصر حالات اس کتاب میں لکھوں جن کا اس میں ذکر ہے۔ مگر چونکہ اس سے کتاب کی طوالت یقینی تھی اور یہ منظور نہیں لہذا خاموشی۔ عبدالباری آسی۔ ۹ مارچ ۱۹۱۹ء